

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شہزادہ تحریر حیات

ISSN 2582-4619

۱۰ افروری ۲۰۲۳ء مطابق ۱۸ ربیع المجب ا۱۴۴۲ھ شمارہ نمبر

اس شمارے میں

۳	مولانا محمد شہباز اصلاحی	شعروادب یہ جو کارخانہ دہر ہے اداریہ
۵	شمس الحق ندوی	بندہ مومن کے دل کی قدر و قیمت چشمہ کشا
۶	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	مسلم پرشیل لاکے متعلق غلط تفہیموں صحتیے با اہل دل
۱۱	حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی	طریقہ تعلیم کیسا ہو؟ فکر و نظر
۱۳	مولانا ذاکر سعید الرحمن عظیمی ندوی	علم اور اس کے مقاصد اصلاح و دعوت
۱۷	مولانا سید عبداللہ حسینی ندوی	دین پر صحیح عمل کی ضرورت تصویر وطن
۲۲	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مقدس کتابوں اور شخصیتوں کا احترام اصلاح معاشرہ
۲۵	مولانا سید محمد حمزہ حسینی ندوی	اسلام کے سایہ عاطفت میں آئیں! تاریخ و تذکرہ
۲۶	مولانا بلال عبدالحکیم ندوی	اسلام کے عروج و زوال کا مطالعہ رسید کتب
۲۹	محمد اصفاء الحسن ندوی	تعارف و تبصرہ فقہ و فتاویٰ
۳۰	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	سوال و جواب رفتار کار
۳۱	منظور شدہ تجویز اجلas مجلس عالمہ

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی

(نظمہ ندوہ احمد لکھنؤ)

مدیر مسئول	نائب مدیر
محمد سعید الصدوق دریابادی ندوی	شمس الحق ندوی
معاون مدیر	محمد اصفاء الحسن کاظمی ندوی

مجلہ مشاورت	مولانا عبد العزیز بخششکی ندوی	مولانا محمد الدنیازی پوری ندوی
-------------	-------------------------------	--------------------------------

قارئین مترحم! تحریر حیات کا سالانہ رتیغہ ایڈیشن دیل میں دیے گئے کاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

برآ کرم قمی جمع بوجانے کے بعد فقر کے فون نمبر ۰۱۱ ۰۱۱ ۰۱۱ پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیں۔

تریکل زر اور خط و تکاتب کا پتہ۔

TAMEER-E-HAYAT

Tatogore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : <http://tameerehayat.com> - email : tameer1963@gmail.com

مصنفوں نگار کی راستے سے ادارہ کا متفق ہوا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ رتیغہ - 400/- فی شمارہ - 20/- ایشیائی، یورپی، افریقی اور کمیٹی کے لئے - 75\$

ڈیاٹ شہزادہ حیات کے نام سے ہائی اور میڈیا جمادات مددوہ اخلاقی اکٹھنے کے پروگرام۔ چک سے کمی ہانے والی قرض
All وارثہ ماہیں، پورت میں، پورت دیگر = 30/- جو کر چک دیں۔ برآ کرم اس کا خیل رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے یخچاک مرکز کی ہے۔ تھیں کہ آپ کا راتیغہ ختم ہو جاگے، لہذا جلدی رتیغہ اسال کریں۔
اور منی آنڑا کوپن پاہنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، ہوبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کو لکھیں۔ (تحریر حیات)

پرنٹر پیلش محمد طااطہر نے آزاد پرنگ پر لیں، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تحریر حیات مجلس صفات و نشریات نیگر مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

یہ جو کارخانہ دہر ہے، تری حکمتوں سے ہے چل رہا

مولانا محمد شہباز اصلاحی

میرے رنج غم کی شکایتیں ہیں تیرے حضور ہی اے خدا
بھی آہ میں، بھی اشک میں، بھی چھپ کے اور بھی برملا
میں ضعیف ہوں، میں حقیر ہوں، میں قلیل حیله و بے نوا
کوئی برگ و ساز ہی پاس ہے، نہ ہے میرے ساتھ کوئی جھٹا
مری آبرو ترے ہاتھ ہے، مرا آسرا تری ذات ہے
مرا برگ و ساز تیرا کرم، ترا دستِ فیض جھٹا مرا
میں ترے ہی در کا فقیر ہوں، مجھے اپنے در کا فقیر رکھ
مجھے اپنے فضل سے کر عطا، در غیر کو نہ مجھے بتا
مجھے غیر کی بھی ہے کیا خبر، مرے عرضِ غم سے وہ بے اثر
وہ مری مدد بھی کرے گا کیا، جو ہو آپ دستِ نگر ترا
تو عزیز ہے، تو غفور ہے، تو حیم ہے، تو ودود ہے
تو قدری ہے، تو کریم ہے، تو ہے بے نواب کا آسرا
تو سمیع ہے، تو بصیر ہے، تو علیم ہے، تو خیر ہے
کوئی غیب ہو کہ شہود ہو، تو ہر ایک شستے کو جانتا
تو علیم ہے، تو حکیم ہے، تو علی ہے اور کبیر ہے
یہ جو کارخانہ دہر ہے، تری حکمتوں سے ہے چل رہا
تو جلیل ہے، تو جمیل ہے، تو مصور اور بدیع ہے
وہ ترا ہی حسن خیال تھا، مرے دل کو جس نے لبھا لیا
تو حمید ہے، تو مجید ہے، تو مہمن اور سلام ہے
ترے سارے نام حسین ہیں، ترے جیسا کون ہے دوسرا



ربنڈہ مون کے دل کی قدر و قیمت

شمیں الحنف ندوی

انسان اور نوع انسانی کی اشرفیت و خصوصیت اس مضغہ گوشت کی وجہ سے ہے جس کو دل کہتے ہیں اور دل کی قدر و قیمت اس جو ہر کی وجہ سے ہے جس کو محبت کہتے ہیں۔

شیخ شرف الدین تھجی منیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”عرش پیدا کیا، مقرین کے سپرد کیا، بہشت پیدا کی، رضوان کو اس کا پاس بنایا، دوزخ پیدا کی، مالک کو اس کا دربان بنایا؛ لیکن جب مون کا دل پیدا کیا، فرمایا: دلِ رحمٰن کی دوالگیوں کے درمیان ہے۔“

ایک دوسرے مکتب میں دل کی وسعت و قوت پیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اسی میں رکھتا، یہی مخفی ہیں اس ارشاد کے کہ: نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے نہ میرا زمین، گریمرے لیے گنجائش ہے تو مون بنہد کے دل میں۔ آسمان میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات کی متحمل نہیں، بندہ مون کا دل ہی ہے جس نے اس بوجھ کو اٹھایا، رستم کا گھوڑا بھی رستم کو اٹھایتا ہے؛ لیکن جلالِ الٰہی کا آفتاب جب پہاڑ پر جس سے زیادہ عالم اجسام میں جمنے والی کوئی چیز نہیں، جب ایک بار چکا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گیا (جعلہ دیکا) تین سو ساٹھ مرتب مون کے دل پر چمکتا ہے، اور وہ ”هل من مزید“ کافر و لگاتار ہتھا ہے اور پکارتار ہتھا ہے: ”الغیاث، الغیاث“ پیاسا ہوں، پیاسا ہوں۔

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیزوں کو بے قیمت ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے، فرماتے ہیں: اے میرے بھائی! ٹوٹی ہوئی چیز کوئی قیمت نہیں رکھتی، مگر دل جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے، اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک سرگوشی میں کہا کہ: آپ کو کہاں تلاش کرو؟ جواب ملا: ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں: ”مشائخ کرام شریعت کے ظاہری احکام کی پابندی، سنت نبویہ کے اتباع و اہتمام کے ساتھ قلب کی پاکی اور صفائی پر زیادہ توجہ کرتے ہیں، دل بن جانے سے انسان بن جاتا ہے، اور دل کے بگاڑ سے انسان کا بگاڑ ہے، ظاہری اعمال، عبادات و اخلاق ہوں یا معاملات و معاشرت، ان کی خرابی کی اصل جڑ قلب کے کسی ووشه میں ہی ہوتی ہے، ہدایت و اصلاح کے سب سے بڑے رمز آشنا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ہوشیار ہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے، ہوشیار ہو کہ وہ دل ہے، اس دل کی جلا و پاکی ذکرِ الٰہی سے میسر آتی ہے، حدیث شریف میں ہے: ”لکل شیء صقالہ“ ہر چیز کا صیقل (چکانے والا) ہوتا ہے، اور ”صفال القلوب ذکر اللہ“ دلوں کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ [مشکوٰۃ]

ذکرِ ذا کر کے دل کو روشن، نرم، رذاںل سے پاک اور فضائل سے رفتہ رفتہ آراستہ کر دیتا ہے۔ مذکور یعنی اللہ کے ساتھ ایک خاص ”دُلْگَن“، ”رَابِطَه“ اور ”نَبِيَّت“ میسر آجائی ہے، اور وہ ”محبوب حقیقی“ کے رضا و قرب کو اپنا مقصد بنالیتا ہے۔ اس لیے احکامِ الٰہی کی بے چون و چراغِ تعلیم اور نواعی سے پرہیز اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ”ذکر“ کی قوت محکر کا ایک ”ذَا کر“ کو ہر آن تحسین اعمال اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے حصول میں سرگرم رکھتی ہے۔ گویا ”ذکر“ کا لازم احکامِ رباني کی پابندی اور مکرات و فوایش سے کلی پرہیز کا ہے، معاصی کے صدور کے ساتھ کر حقیقی کا اقتراض محض دجل و تلیس ہے۔ وہ ذکرِ ذکر نہیں جو ذا کر کو گناہوں سے نہ روک دے، اور اسے احکامِ الٰہی کا پابند نہ کر دے۔ ”ذَا کرِین“ بارگاہ قدس جل جلالہ و عم نوالہ کی رضا و قرب اور اس کی عطا یا نوازشات کے طالب ہوتے ہیں اور اس بارگاہ عالیٰ تک رسائی کے لیے معاصی سے اجتناب، اور امراهیہ کی پابندی اور اہتمام شرط کا درجہ رکھتا ہے، گویا ذکر وہی ہوگا جو ”ذکر“ کے رنگ میں اپنے کو رنگ دے اور اس کے احکام کی اطاعت اپنا معمول، گناہوں سے نچنے کا اہتمام و التزام اپنا شعار اور اہتمام سنت کو اپنا حال بنالے، ورنہ ”صورتِ ذکر“ ہوگی، ”حقیقتِ ذکر“ کا تحقق وجود نہیں ہوگا:

ذکرِ حق سے صیقلِ کامل ہوا محو دل سے نقشِ ہر باطل ہوا

چشم کشا

مسلم پرنسپال کے متعلق غلطہمیوں کا سرمنظر اور نفیت

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر، دستان (School of Thought) اور خالص مطالعہ، غور و فکر، اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل سرحدی لکیر (Line of Demarcation) ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، یہ حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مجھ (Confusion) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریع کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لیے وہ مذاہب کی ترجیhani ایسی کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ یہ زرے فلفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سمجھیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حد فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ، سماجیات کا علم (Social Sciences) تہذیب (Civilization) سوسائٹی اور انسانی تمدن (Humanity) سے متعلق غلطہمیوں کا سرمنظر اور نفیت

مسلمانوں کے عالمی قانون کی اہمیت اور صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق میں وہ حقیقوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور ان سب حضرات کو جو مسائل پر سمجھیدگی کے ساتھ غور کرنے کے عادی ہیں، اور ان میں حب الوطنی کا جذبہ ہے اور ان کا ذہن تخریبی (Destructive) ہیں بلکہ تعمیری (Constructive) اور حقیقت پسند (Realistic) واقع ہوا ہے، اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، دونبندی حقیقوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور اس مؤقر مجلس کے توسط سے صحفت اور ابلاغ کے سبجیدہ اور ذمہ دار ذرائع (Public Media) سے میں اپنی آواز دور در تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

۱- مذاہب کے تقابلي مطالعہ (Comparative Studies) کی روشنی میں جس کا میں ایک طالب علم ہوں ان تمام آسمانی مذاہب کے بارہ میں کہہ سکتا ہوں جو صحیفے رکھتے ہیں، اور جن کے یہاں نبوت کی تاریخ ہے لیکن میرے لیے زیادہ مختاط صورت یہ ہے کہ میں اس دین کی طرف سے عرض کروں جس سے میرا اور آپ کا اتساب ہے کہ اس کی ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ) کاظم تو ہذا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں کے ذریعہ، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (Reformers) یا

کسی بھی مسئلہ سے اختلاف یا کسی حقیقت سے گریز اور مخالفت کا باعث صرف مخالفت کا جذبہ، عناد یا سیاسی مصالح اور مفادات ہی نہیں ہوتے، اکثر غلط فہمی یا ناواقفیت یا ناقص واقفیت (جسے میں ناواقفیت سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہوں) اس کی ذمہ دار ہوتی ہے، افراد اور خاندانوں کی سطح پر بھی، ملتوں اور قوموں کی سطح پر بھی اور ملکوں اور سلطنتوں کی سطح پر بھی ایسی غلط فہمیاں، ناواقفیت اور ناقص واقفیت بڑے اہم اور نگینے نتائج کا سبب ہیں، اور قوموں، تہذیب و تمدن، سلطنتوں اور مذاہب کی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی غلط فہمی، ناواقفیت یا ناقص واقفیت بڑے اہم اور نگینے برپا ہوئی ہیں، سلطنتیں سلطنتوں سے ٹکرائی ہیں، اور بعض اوقات وحشتیں وحشتیں وحشتیں سے نہیں وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائی ہیں۔

مسلم پرنسپل لا کے سلسلہ میں بھی نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے نہ اس کا شوق ہے کہ ہم ان سب لوگوں کے بارے میں جو ملت اسلامیہ کے دائرے سے باہر ہیں، یا ان گروہوں، عناصر یا مکاتب خیال پر جو مسلم پرنسپل لا کے مخالف ہیں اور جو ہندوستان پر یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے داعی اور اس کے حامی ہیں، یہ اسلام لگائیں کہ ان میں مخالفت ہی کا جذبہ یا عناد کام کر رہا ہے، میرا خیال ہے کہ اس میں غلط فہمی اور زیادہ تر ناقص واقفیت کو دخل ہے۔

اس میں نہ کسی کی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور حق کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی مقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر جائز نہیں، عدالت میں پہلی بات یہ طے کی جاتی ہے کہ تمہیں بحث کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ یہاں بڑے بڑے تجزیہ کار قانون وال م وجود ہیں، ان کو پہلے اپنی سند و کالت پیش کرنی ہوتی ہے اگر معلوم ہے فاضل حق کو کہ یہ باقاعدہ قانون کے فاضل ہیں اور سند رکھتے ہیں وکالت کی، اور مقدموں میں آتے رہتے ہیں تو ضرورت نہیں، لیکن پہلی مرتبہ کوئی وکیل یا پیرسٹر اپناتر بجان بنایا ہے یا نہیں، لیکن دین کا معاملہ عجیب و غریب ہے کہ اس کی حقیقت معلوم کیے بغیر اس کی تاریخ معلوم کیے بغیر، اس کی روح معلوم کئے بغیر، ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس کے بارے میں مشورہ دے، اور یہاں تک کہ ترمیم اور اصلاح کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو قبول نہیں کیا جاتا تو اس دین کے ماننے والوں پر جزو و جہالت کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان کو کم عقل ثابت کیا جاتا ہے۔

میں اصلاح مہب کا طالب علم ہوں، زیادہ سے زیادہ تاریخ و ادب کا طالب علم ہوں، میں کسی وقت یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ کسی ایسے فن یا مسئلہ میں دخل دوں جس کے مبادی (Fundamentals) سے بھی میں ناواقف ہوں، اگر کوئی شخص سائنس کے مبادی، فزکس کے مبادی یہاں تک کہ ریاضی

ان کو مشورہ دیتے ہیں، پہلے آپ ان کا مزاج اور ان کا امتیاز سمجھ لیں، وہ پیغمبروں کی ایک ایسی جماعت اور اس جماعت کے خاتم اور اس جماعت کے فرد اکمل کے تابع ہیں جس کا رشتہ وہی الہی سے تھا، اور وہ خود وہی کا انتظار کرتا تھا، بیسیوں حدیثیں ہیں، جو میں اس وقت آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا کہ لوگ پوچھنے آئے آپ نے کہا انتظار کرو، اور آپ خود انتظار کرتے رہے، اور بعض مرتبہ تو ایسا ہوا کہ سائل موجود ہے، اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور کسی صحابی نے اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو، تم دیکھنا چاہتے تھے کہ وہی کس طرح آتی ہے تو دیکھو، بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ساق مبارک کسی کی ساق پر تھی، اور وحی کا نزول شروع ہوا، وہ کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ میری نانگ لٹوٹ جائے، اتنا بوجھ تھا، اس لیے کہ وہی کے ساتھ ایک بوجھ ہوتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس ماڈی دنیا سے آپ کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اور آپ کسی اور عالم میں ہیں، اور اس کے بعد آپ نے وہی کے الفاظ سنانے شروع کیے، ایک مرتبہ کفار نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا، آپ نے وہی کا انتظار کیا، یہاں تک کہ کئی روز (پندرہ دن) گزر گئے اور کفار کو اعتراض کا موقع مل گیا، جب سورہ کہف نازل ہوئی تب اس کا جواب آیا، اور اللہ تعالیٰ نے وہ قصہ سنایا، آپ نے اس طرح سنایا جیسے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

وہی ونبوت کا فرق اساسی فرق ہے ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاً سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وہی ونبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں، کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، کہ آپ جس دین کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہیں، ان سے توقع اور مطالبہ کرتے ہیں،

کی قرآن و حدیث اور اسلامی شریعت میں کھلی اجازت ہے، اور تم اس کا علمی و تاریخی طور پر انکار نہیں کر سکتے، لیکن چونکہ فلاں اسلامی ملک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اس لیے اسرائیل کو جو ایک غیر اسلامی ملک ہے اور شریعت اسلامی کا پابند نہیں، ضرور اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں کی مسلم آبادی پر پابندی عائد کرے۔

پھر اس مسئلہ پر ملک اور اہل ملک کی توافقی کیوں ضائع کی جا رہی ہے ملک اور اہل ملک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ڈھنی انتشار، بدگمانی اور خوف کی نضاظم کی جائے کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کر سکتا کہ اس کی آبادی کے مخالف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارے میں شکوک و شبہات ہوں، اور اس سے بڑھ کر ملک کے لیے بدخواہی نہیں ہو سکتی کہ وہ توافقی جو ملک کی سیاست، اس کی حفاظت اور تعمیر و ترقی میں صرف ہونی چاہیے تھی، وہ شکوک و شبہات کو رفع کرنے میں یا شکوک و شبہات کی فضا میں زندگی گزارنے میں خرچ ہو، میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح ان چیزوں کی معتقد اور ان پر یقین کرنے والی نہیں ہو گی جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں، اور جو ہمارے لیے ضروری ہیں تو مسلمانوں کے اندر ایک تذبذب اور ان درونی اشتخار کی وہ کیفیت پیدا ہو گی جو صرف مسلمانوں کے لیے مضر نہیں ملک کے لیے بھی مضر ہے، یہ ہر گز داشمندی کی بات نہیں ہے کہ جب ملک میں کوئی مصیبت نہیں آئی، کوئی سائیکلوں نہیں ہے، کوئی ایسٹر جنسی کی کیفیت نہیں ہے، کوئی آسمان سے اولے یا گولے نہیں برس رہے ہیں، کسی نے اس لیے حملہ نہیں کیا ہے کہ آپ

انارکی اور اخلاقی انتشار پیدا ہوتا ہے، اسلام کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر عرض کر سکتا ہوں کہ اس کا ایک طالب علم ہوں، فاضل نہیں کہتا لیکن مانا ہوا طالب علم ہوں، اور یہ بال اسی طالب علمی میں سفید ہوئے ہیں کہ دین کے متعلق پہلے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے، شریعت آسمانی سے ہے، اس کے لانے والے پیغمبر ہیں، یہودی تک اپنے دین و ملت کے بارے میں غیرواقع ہوئے ہیں، آپ کسی یہودی سے یہ کہہ کر دیکھنے کہ تمہارا یہ مسئلہ غلط ہے، تمہارا یہ قانون غلط ہے تو وہ کہے گا کہ ہمارے قانون کا تعلق شریعت موسوی سے ہے، بائیبل سے ہے، ہم تو اس کے پابند ہیں، ساری دنیا بھی اگر کہے کہ یہ غلط ہے تو ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں، چنانچہ آج بھی اسرائیل کا پورا نظام معاشرت، اور ان کا عالمی قانون اسی پر چل رہا ہے۔

یہودیوں کے ذکر پر مجھے ایک بات یاد آگئی، اسرائیل سے ایک پرچہ نکلتا تھا، اس میں ایک مقدمہ کی کارروائی تھی، اس میں ایک مضمون تھا کہ اسرائیل کے عرب مسلمان باشندوں نے اسرائیل کی عدالت عالیہ میں یہ رٹ دائر کی کہ ہمیں تعدد ازدواج کی اجازت دی جائے، اس لیے کہ ہمارے بیہاں تعداد ازدواج کی اجازت ہے، فاضل بچنے وقت ماگا، اس نے کہا کہ اسلام کے جواہلین ماذد ہیں، اور جو کتاب میں سند کا درجہ رکھتی ہیں، میں ان کا مطالعہ کروں گا، اسرائیل میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عربی سے واقف ہے، وہ پہلے سے فلسطین میں رہتے تھے، وہ بے تکلف عربی بولتے ہیں، بچ نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ کیا، فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس نے اپنے فصلہ میں لکھا کہ میں بدهانتاً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعداد ازدواج

(Mathematics) کے مبادی سے (جو روزمرہ کی ضرورت ہے) ناواقف ہے تو دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان اس کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ یہ کہے کہ فلاں ماہر ریاضی نے یہ نتیجہ جو نکلا ہے غلط ہے، لیکن کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس کے متعلق جس کا بھی چاہے، جس وقت بھی چاہے اور جس انداز میں بھی چاہے مشورہ دیا جائے، اس کی تربیتی کی جائے، اور اس میں خامیاں نکالی جائیں اور اس میں ترمیمات پیش کی جائیں، اس سے پورے نظام علم پر اثر پڑے گا، عصر حاضر کا سارا نظام اعتماد و اختصاص (Specialisation) پر چل رہا ہے کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کے ماہرین خصوصی کی کوئی قیمت نہیں؟ پھر مذہب کی ایک زبان ہوتی ہے، مذہب کے اصطلاحات ہوتے ہیں، اس کے الفاظ کے اعماق (گھرائیاں) و آفاق (وسعیں) ہوتے ہیں، اس کی نفسیات ہوتی ہیں، یہ ساری چیزیں جانے بغیر کوئی شخص بھی (خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو اور کسی گروہ کا آدمی ہو) اگر کہتا ہے کہ صاحب، مسلمانوں کے عالمی قانون کا فلاں مسئلہ غلط ہے تو وہ اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے، وہ پورے سیاق و سبق سے ناواقف ہے اس تو ازن و تناسب سے ناواقف سے ناواقف ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے، آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ایک کمل ڈھانچہ اور جامع ماحول کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو جمیع طور پر دیکھنا ہوتا ہے، حالات یہ ہے کہ چورا ہے پر کھڑے ہو کر (اور یہ اخبارات بھی ایک طرح کے گھومتے پھرتے چورا ہے ہیں)، جس کا جی چاہتا ہے قلم اٹھا کر لکھ دیتا ہے، اس سے ایک انارکی پیدا ہوتی ہے، ڈھنی انارکی، سیاسی انارکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ ملکوں کی تاریخ میں پوشیکل انارکی سے پہلے مثال

ضروری صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس پر اپنی ذہانت صرف کرنے سے ہمیں چھٹی مل جاتی ہے، اور ملک و حکومت کو دوسرے ضروری کاموں کے لیے وقت نکل جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کے لیے، سالمیت کے لیے اور مشترک وطنی شعور کے لیے ضروری ہے کہ ایک مشترک واحد عالمی قانون (Uniform Civil Code) نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکول کا بچہ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم جو ہوئی تھی، وہ اصلاً وابتداء برطانیہ اور جمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرچین ہیں بلکہ پروٹوٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عالمی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کر سکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں نہ رہے؟ اگر یونیفارم سول کوڈ جنگ کروک سکتا ہے اور نبردازی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہیے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ کرچین اور پروٹوٹنٹ جن کی تہذیب بھی، عالمی قانون بھی بلکہ معاشرت بھی ایک ہے، وہ اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جا کر دیکھ آئیے کہ جو مقدمے آتے ہیں، مسلمان مسلمان کے خلاف مدعی ہے، مسلمان مسلمان کا مدعی علیہ ہے، اور مسلمان مسلمان کی عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر ایں چلا دینا چاہتا ہے، ان دونوں کا عالمی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، وہ حقیقت اختلافات اور دشمنوں کا تعلق نفسانیت سے، دولت پرستی کے جنون

وقت و راست میں ہمارے اقتصادی حالات کا تقاضہ کچھ اور ہے، یہاں کی مجبوریاں، یہاں کے تمدنی تقاضے، معیار زندگی اور ہمارے خاندان کی پچھلی تاریخ، یہ سب اس بات کے مقاضی ہیں کہ

مسلمانوں کے پرستل لا میں تبدیلی کرائیے ورنہ ہم اس ملک پر قبضہ کرتے ہیں، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وقتاً فوتاً آواز بلند ہوتی رہتی ہے کہ مسلم پرستل لا میں ترمیم کی جائے؟

۲- دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے اس بارہ میں مذاہب میں خود اختلاف ہے، اور اس میں درجنوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر لیا ہے، مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اسلامی حقیقت ہے جو عبد و معبد کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے، اور اس کا تعلق خدا سے دائی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے جامع بھی، قرآن شریف میں ہے: **يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلْمَ كَافَةً وَلَا تَبْيَغُوا خُطُوطَ الشَّيْطَنِ طَإِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ** (اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشن ہے)۔

یہاں تحفظ نہیں رزرو یشن نہیں کہ اتنا آپ کا اتنا ہمارا، اتنا ملک کا، اتنا اسٹیٹ کا، اتنا خدا کا، اور اتنا خاندان اور قبیلہ کا، اتنا دین و ملت کا اور اتنا سیاسی مفادات کا، نہیں، جو کچھ ہے سب خدا کا ہے، یہاں سب عبادات ہی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی خدا کے سے کیسے مطالیہ کیا جاسکتا ہے کہ تم شریعت کو بدال دیں۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اس غلط فہمی کا پردہ ہی چاک ہو جاتا ہے اور ایک غیر

میں ان کے عائلی قانون میں دخل نہ دو، ان کے نظام تعلیم میں دخل نہ دو، ان کو سیکولر طریقہ پر پڑھاؤ، اپنے اپنے مذہب کے مطابق یہ عقیدہ رکھیں، عمل کریں۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پر شل لا (شرعی عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کر لیں گے تو آدمی مسلمان رہ جائیں گے، اور اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدمی مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفہ اخلاق، فلسفہ نسیمات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر موثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسجد میں آپ مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اس لیے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن، اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتدا سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتدا کا مقابلہ کیا جانا چاہیے، اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئینہ اور مفادہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے!! بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضر ہے۔

☆☆☆☆☆

اسی کے نتیجہ میں ہندوستان میں محدثن لاکا اتنا بڑا کام ہوا، اسی ملکتہ کی سرزی میں پر اور خاص طور پر یادش بخیر اسٹ آزیبل جسٹس سید امیر علی کے ہاتھوں اور سر عبد الرحیم وغیرہ کے ذریعہ ہوا، انگریزوں نے دو کام بڑی غلکندی کے کیے، انھوں نے اس بات کو پالیا کہ بے ضرورت جذبات کو محروم نہیں کرنا چاہئے اور مشکلات نہیں پیدا کرنے چاہئیں، یہ ایک ایسی قوم کا طرز عمل ہوتا ہے جو حکمرانی کا تجربہ رکھتی ہے، انھوں نے دو باتیں طے کیں، ایک تو یہ کہ عائلی قانون اور مذہب میں مداخلت نہیں ہوئی چاہئے، دوسری بات یہ کہ نظام تعلیم سیکولر ہونا چاہئے کہ بلی گئے کے قصے پڑھاؤ مگر کسی دوسرے مذہب کی تلقین نہ کرو۔ ہم نے انگلش پر اسٹر اور ڈیریس پڑھی تھیں، ان میں شروع سے اخیر تک یہ دیکھا کہ جنوں اور بھوتوں پر یتوں تک کے قصے اور افسانے آئے، جانوروں کے قصے آئے لیکن کہیں یونانی رومان دیومالا (Mythology) کی بات کر سچیں میتھا لوگی کی بات نہیں آئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اطمینان کی کیفیت رہی، وہ بنیادیں دوسری تھیں جن بنیادوں پر ہندوستان کے مسلمانوں نے اور دوسرے عناصر نے مل کر یہاں عالمی کام جو اپنے سر سے اتار کر پھیلک دیا، اور جگ آزادی بڑی، ان دونوں داشمندانہ فیصلوں نے ان کی حکومت کی بقاء میں مدد کی اور اس کی مدت کو دراز کیا، ورنہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ جو واقعہ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا وہ ۷۵۷ء میں پیش آسکتا تھا، اور پیش آنا چاہئے تھا، اور انسیوں صدی کے بالکل اوائل میں پیش آجانا چاہئے تھا، یہ سو بر س سے زائد جو انھوں نے یہاں اطمینان سے حکومت کی، اس میں ان کی اس داشمندی کو دخل ہے کہ باشدگان ملک کی مذہبات

سے ہے، نفس پرستی اور مادیت سے ہے، اس غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے، جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، یہ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور چیخ کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہوجانے سے اخلاقی صورت حال میں قطعاً ایک ذرہ کافر قبھی نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ ہونا چاہئے، تاکہ آپس میں اتحاد و افت پیدا ہو۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا اس گروہ اور خاندان سے تعلق ہے جس نے سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور بیش از بیش حصہ لیا، ملکتہ کی سرزی میں خاص طور سے اس کی شہادت دیتی ہے کہ وہ ایمانی فائلہ جا ز جاتے ہوئے میمیں سے گزرا تھا، خلیج بنگال سے روانہ ہوا تھا، اور اپنے مستقر سے یہاں تک ایمان، توحید و سنت اور دینی حمیت کی روشنی پھیلاتا ہوا آیا تھا، اسی نے سارے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی روح پھونک دی، قرآن کہتا ہے کہ تمہیں عصیت اور بعض اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے دو، اور تعصب و حق پوشی سے کام لو:

”وَلَا يَحْرِمَنَّكُمْ شَنَآنٌ قَوْمٌ عَلَىٰ أَلَا تَعْدِلُوا طَاعِدِلُوا قَافْ هُوَأَرْبُّ لِلنَّقْوَىٰ“
(اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پر ہیزگاری کی بات ہے)۔

انگریز اس بارہ میں زیادہ حقیقت پسند تھے، انھوں نے جب ہندوستان میں حاکمانہ طریقہ پر قدم رکھا تو انھوں نے اچھی طرح یہ سمجھ لیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے عائلی قانون میں دخل نہیں دینا چاہئے، ان کو اس میں آزاد رکھنا چاہئے،

صحبتی با اہل دل



طریقہ تعلیم کیسا ہو؟

ترتیب و پیشکش: محمد سلمان ندوی بجوری

کھڑے ہو کر پڑھانے میں طلبہ زیادہ متوجہ ہوتے ہوں تو یہ طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ استاد کو ذمہ دار ان وہی مضمون پڑھانے کو دین جس مضمون میں اس کا اختصاص ہوا وہ اس سے دلچسپی رکھتا ہو، بعض مرتبہ اس میں بڑی کوتاہی ہو جاتی ہے کہ استاد کو وہ کتاب مل جاتی ہے جس سے اس کو کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا، اب وہ پڑھاتے لے گا، لیکن پڑھانے میں وہ بات نہیں ہو گی جیسی ہوئی چاہیے، پڑھانے کا انداز ایسا ہو کہ خشک مضمون بھی طلبہ دلچسپی کے ساتھ پڑھیں۔

اساتذہ طلبہ کے لیے شیق اور مہربان ہوں، ان کے لیے خیرخواہی کا جذبہ رکھتے ہوں، اساتذہ طلبہ کو یہ احساس دلانے کی کوشش کریں کہ وہ ان کے حق میں مفید اور بہتر ہیں، دونوں کے مابین کوئی دوری اور خلیج نہ ہو بلکہ طلبہ بے تکلف ادب کے دائروں میں رہ کر اپنی بات رکھ سکیں، اپنے اشکالات دور کر سکیں۔

طلبہ کے لیے ضروری ہدایات

طالب علم کو چاہیے کہ جس فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے اس فن کے ماہر اساتذہ سے رابطہ رکھ اور جہاں موقع عمل جائے ان سے استفادہ کرے، استاد اگر پانچ منٹ بھی دے دے تو اس کو غنیمت سمجھے، راستہ چلتے بھی اگر موقع عمل جائے تو اس کو بھی ضائع نہ ہونے دے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ طلبہ اساتذہ سے چلتے چلتے استفادہ کرتے تھے۔ یاد کرنے کے سلسلے میں طالب علم کو سب سے پہلے یہ طے کرنا ہو گا کہ کون سا مضمون یا کتاب زبانی یاد کرنے کی ہے اور کون ہی کتاب سمجھنے کی ہے، مثلاً الفاظ معانی ہیں یا اشعار ہیں اس کو طلبہ یاد کریں اور اگر کوئی مسئلہ ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کریں، ذہن کو حاضر کریں، یاد کرنے میں بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ

افاداتِ مجلسِ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

چھوٹے بچوں کا طریقہ تعلیم

معتدل ذہن رکھنے والے ہیں، اسی طرح کتنے طلبہ با مقصد تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور کتنے وقت گزاری کر رہے ہیں، پھر اساتذہ پر ضروری ہے کہ طلبہ کو سبق کے مطالعہ پر آمادہ کریں تاکہ پوری تیاری کے ساتھ درجہ میں حاضر ہوں، نہ تو خود بیشتر مطالعہ پڑھائیں نہ طلبہ کو پڑھنے دیں، مطالعہ نہ کرنے پر پوچھ گئے ضرور کریں، درجہ میں حاضر رہنے پر زور دیں، ان کو اس بات پر آمادہ کریں کہ اگر گھنٹہ خالی ہو تو لاہبری ی جائیں یا راجہ ہی میں کسی کتاب کا مطالعہ کریں۔

بہتر طریقہ تعلیم

بعض جگہ یہ طریقہ ہے کہ استاد لیکچر دیکر چلا جاتا ہے سمجھنے سمجھانے سے ان کو کوئی مطلب نہیں، یہ طریقہ عملاً درجات کے لیے تو مفید ہو سکتا ہے، لیکن ثانویہ اور عالیہ کے لئے بالکل مفید نہیں ہو گا، جب تک طلبہ سے تبادلہ خیال نہ ہو، ان کی رائے یا ان کے اشکالات و سوالات نہ سنے جائیں اس وقت تک استاد مطمئن نہ ہو، استاد درجہ میں اپنے درس کا وقت متعین کر لے اور کچھ وقت طلبہ کے سوال کرنے کے لئے رکھ، جب طلبہ کو سوالات کا موقع دیا جاتا ہے تو اس سے طلبہ اور اساتذہ دونوں کا فائدہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں مزید اساتذہ کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، ہمارے اساتذہ تفہیم کے لیے یورڈ کا استعمال ضرور کریں، پوری توجہ کے ساتھ ان کو سمجھائیں اگر

با شعور بچوں کا طریقہ تعلیم

بڑی عمر کے بچوں کے اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ پہلے وہ تمام بچوں کا جائزہ لیں، ہو سکے تو میسٹ لیں، تاکہ طلبہ کی سطح معلوم ہو سکے، یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کتنے طلبہ ہیں ہیں اور کتنے کمزور ہیں، کتنے

مالک کے وعدوں کا یقین

مولانا عبدالرحمٰن نگر امی ندویؒ

تاریخ اسلام کے اس زمانہ پر نگاہ ڈالنے سے جو نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ عالم میں اپنی پاکیزگی کی کوئی نظر نہیں رکھتا اور جسے ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے خیر القرون، کا لقب دیا گیا ہے، یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ خدا کے چند بندے جو تعداد میں تھوڑے، سروسامان کے لحاظ سے بالکل بے حیثیت تھے، اٹھتے ہیں اور ایک عالم کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ صرف سلطنتوں ہی کوئی نہیں، بلکہ مخلوق کے دلوں اور روحوں تک میں عظیم الشان تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں، برائی مٹ کر بھلائی آجاتی ہے اور ظلم کی جگہ انصاف قائم ہوتا ہے، اس زمانہ کا کوئی داشمند اس پاک گروہ کے حالات پر جب غور کرے گا، ان کی لڑائیوں کے سروسامان کی فہرست تاریخ کے اواراق میں دیکھے گا، ان کے جنگ کے اطوار، دعوت اور تبلیغ کے طریقے معلوم کرے گا، تو یقیناً اسے اچھا ہو گا، کوئی بڑا علم انسش کا ماہراپنے فن کے اعتبار سے کچھ باقی تھیں نکال کر ان کی کامیابی کے اسباب گنانا شروع کرے گا؛ لیکن حقیقت کچھ اور ہے، ان کی کامیابی کا راز اور ان کی تاثیر کے اس قدر جلد اور مضبوطی کے ساتھ پھیلنے کا بھیدنہ تو قوت ارادی کی باضابطہ اور باقاعدہ مشق ہے اور نہ سروسامان کی بہتان اور زیادتی ہے، یہ چیزیں وہاں کہاں اور کہ تھیں؟ ایک ہی چیز تھی جس نے ان سب مادی چیزوں کی قائم مقامی کی تھی اور اسی کے جوش کے یہ سب کرشمے تھے، وہ خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی باقوں پر یقین تھا، یقین انسان میں طاقت پیدا کر دیتا ہے، اسی سے ہمتیں بندھتی ہیں، حوصلے پیدا ہوتے ہیں، کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے اگر اس کے انجام کی کامیابی کا پوری گہرائی کے ساتھ یقین ہو تو پھر اس کام کے پورا کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، یقین رکھنے والا آدمی ہر مشکل پر غالب آ سکتا ہے اور ہر دشواری کو اپنے راستہ سے ہٹا سکتا ہے، یقین ہی کا پھل تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ساتھی اسلام کی راہ میں کانٹوں کو پھول جانتے تھے، ثواب آخرت کی امید ان کو ہر قسم کی قربانی کے لئے آگے بڑھاتی تھی اور وہ بے چہک اپنی جان و مال کو نچھاوار کرتے تھے، عذاب کا خوف، حساب و کتاب کا ڈر، ان کی زندگی کے ہر ہر لمحہ کو نیکی اور بھلائی میں صرف کراتا تھا، مایوسیوں کے بادل اور نہ امید یوں کی گھنگھوڑگھٹائیں ان کے یقین کی روشنی سے چمٹ جاتی تھیں اور بالآخر کامیابی کی صورت ان کے سامنے ہوتی، غربت ان کو نہ روکتی، بے زری مانع نہ ہوتی، کسی کا ڈر، دبدبہ حائل نہ ہوتا، کیوں کہ انہیں اپنے مالک کے وعدوں کا یقین تھا۔

☆☆☆

☆☆☆

رث لیا جائے، بعض کہتے ہیں یاد کرنے والی چیز کو استعمال کیا جائے یا بار بار پڑھا جائے، میرے خیال میں اپنی بول چال میں استعمال کرنے والا طریقہ زیادہ مفید ہو گا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ نے الفاظ رث لیے لیکن آپ اس کو استعمال نہیں کرتے تو جو آپ نے رٹا ہے کچھ وقت میں وہ آپ کے ذہن سے نکل جائے گا، لیکن آپ استعمال کرتے رہیں گے یا پڑھتے رہیں گے تو وہ چیز باقی رہے گی، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ بولنے سے بولنا آتا ہے، لکھنے سے لکھنا آتا ہے، اگر کچھ نہیں کریں گے تو کچھ نہیں آئے گا، اسی طرح اگر سوال و جواب کا سلسہ ہو تو وہ بھی مفید ہے، جس کتاب کو یاد کرنا ہے اس کے اہم مضامین کو سوال و جواب کی شکل دے دیں، پھر ایک دوسرے سے سوال و جواب کریں، تعلیم میں توجہ کی ضرورت ہے، ذہن کو حاضر رکھنے کی ضرورت ہے، استاذ پڑھا رہا ہے اور ہم بے توہینی سے درجہ میں بیٹھے ہیں، تو بتائیے آپ کو کیا آئے گا، یہ تجربہ کی بات ہے کہ اگر ذہن حاضر نہیں ہے تو کسی کی ایک بات بھی ہمارے کانوں سے نہیں نکلائے گی کسی کی کیا ہماری خود کی آواز بھی نہیں نکلائے گی، ہم لوگ پوری نماز پڑھ لیتے ہیں نہ تھیں رکعت یاد ہوتی ہیں نہ اس میں پڑھی گئی قرآنی آیات یاد ہوتی ہیں، امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں، سلام کے بعد ہم نہیں بتاسکتے کہ امام نے کون سی سورۃ پڑھی ہے اور درجہ میں تو علمی مضمون پر استاذ بحث کرتا ہے اس کو سمجھاتا ہے، اگر اس کو بے توہین سے ہم سنیں گے تو کیسے سمجھ سکتے ہیں، استاذ لکھی محنت کر کے درج جاتا ہے اور آپ اس کو سبھی نہ سمجھنے کی کوشش تک نہ کریں، اس سے زیادہ افسوس کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

فکر و نظر

علم اور اس کے مقاصد

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن عظی ندوی

مند ہوتا ہے، پوری مخلوق ایسے معلم کے لیے رحمت کی دعا میں کرتی ہے اور لوگ ایسے معلم سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ آراستہ کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کے فضل و مکال کی یہ کہہ کر مثال دی ہے کہ جیسے میری فضیلت تمام صحابہ پر ہے اسی طرح پوری دنیا پر ایک عالم کی فضیلت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فضل العالم على العابد كفضل على على اذناكم“ کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنی پر، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ وَمَا لَهُ كُثْرٌ وَأَهْلُ السَّمْوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى السَّمَكَةَ فِي الْمَاءِ لَيَصُلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِي النَّاسِ الْخَيْرِ“ رواہ الترمذی: و قال: حديث حسن بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اورا ہل زمین و آسمان یہاں تک کہ مچھلیاں بھی پانی میں رحمت کی دعا میں کرتے ہیں لوگوں کو خیر سکھانے والے کے لیے۔

علم صرف سیکھنے کا نام نہیں ہے یا اپنے آپ کو چند دینی اور اخلاقی صفات سے متصف کرنے کا نام نہیں ہے، بل کہ دوسروں کو بھی کتاب و سنت کے معانی، بلند اخلاقی کردار، پاکیزگی نفس اور صحت عقیدہ کی تعلیم و آداب سے مزین کرنے کا نام ہے، یہ عظیم ترین معانی ہیں علم کے۔ اور اسی لیے عالم دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے اور اسی لیے عالم و جہاں دونوں بھی برابر نہیں ہو سکتے، جس کی طرف قرآن کریم نے یوں اشارہ کیا ہے: ”فَلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ اللہ تعالیٰ ایک عالم کے وہ درجات بلند کرتا ہے جس کا ایک عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کتنی عمدہ بات ارشاد فرمائی: ”بِرْفَعَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمُ وَالَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ“۔ [جادلہ]

اس مخلص عالم پر نظر عنایت نہیں ڈالتے جو اس کی رضا مندی اور خوشنودی کے لیے علم سیکھے اور اس کے ذریعہ دنیا حاصل کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان و معنی خیز ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ: ”مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُنَسِّغِي بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّوَ جَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْحَجَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“۔ [سنن ابو داؤد]
 علم کا دوسرا عظیم مقصد یہ ہے کہ دوسرے بھی اس عالم سے علمی فائدہ اٹھا سکیں، عمدہ کریمانہ اخلاق، امر بالمعروف اور نبی عن المنکر کی تعلیم سیکھیں، یہ سعادت اور کامیابی، عزت اور اکرام جیسی عمدہ صفات سے متصف ہو سکیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ایک ایسی جماعت کے وجود پر زور دیا ہے جو علم معرفت کے آداب، اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے باخبر ہو کر لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، برائی سے روکے، جس کی طرف اللہ تعالیٰ اس انداز سے اشارہ فرماتے ہیں: ”وَلَنَجْعَنْ مِنْكُمْ أَمَّةً يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَبَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَاوُنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ [آل عمران] (تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں)۔
باخبر عالم کی فضیلت
 ایک باخبر معلم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا خواہش

حصول علم کا وہ عظیم مقصد جس کے لیے ایک عالم غیر معمولی محنت کرتا ہے، یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک سے براہ راست ربط و تعلق پیدا کرے، اور اپنے رب اور اپنی زندگی کے کیا واجبات اور فرائض ہیں اس کی واقفیت حاصل کرے، بل کہ پورے عالم سے متعلق اس کی کیا سرگرمیاں ہو سکتی ہیں اس سے باخبر اور مطلع ہوتے ہوئے پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری نباہ سکے اور چیزوں کی اچھائی و برائی میں تمیز کر سکے، معصیت و طاعتوں کے فرق کو جان سکے، حلال و حرام کو سمجھ سکے، کون سی عبادت اللہ و رسول کو راضی کرنے والی ہے اور کون اعمال ان دونوں کی ناراضکی کا باعث ہونے والا ہے، کون سی چیز زندگی کی تعمیر کر سکے گی اور کس چیز سے زندگی براہ ہو سکتی ہے اور ان تمام اعمال کو پابندی سے انجام دے جن کو اللہ پسند کرتے ہیں اور ان اعمال سے اجتناب کرے جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل پیرا ہوں اور نواہی سے اجتناب کریں، ہر عمل کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی ہو اور اللہ تعالیٰ کا ڈر اور تقوی، ہی پیش نظر ہے، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ ”إِنَّمَا يَخْشِي اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعَلَمَاءُ“۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اگر کوئی دنیاوی مال و میتاع کے لیے ہی علم حاصل کرے، تو ایسے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و محبت کا معاملہ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ

معنی کی طرف رہنمائی بھی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو وجود بخشنا۔

تعلیم سے متعلق ماہرین کے دجھانات

تعلیم سے متعلق اسلام کا رجحان صاف اور واضح ہے، مسلمان علماء اور تعلیم و تربیت کے ماہرین کی اس باب میں مختلف آراء ہو سکتی ہیں، عصر اسلامی میں تربیتی نظریات کا آغاز امام غزالی کے ذریعہ ہوا، جو علمی بیداری اور تعلیم و تربیت کے امام اور اصل محرک شمار کیے جاتے ہیں، ان کے بعد ان خلدون کا زمانہ آتا ہے، جنہوں نے افکار و خیالات اور علوم کے تنوع اور طرق تدریس کے باب میں امام غزالی کی شاہراہ کو اختیار کیا۔

ان دونوں کے بعد تعلیم و تربیت کے میدان میں کچھ ایسے افراد آئے جن کے اپنے خاص سیاسی رجحانات اور نظریات تھے، جن میں سر فہرست ”ابن سحون“ صاحب ”آداب المعلمین“ ہیں، جو تعلیم و تربیت کے باب میں کلیدی شخص تصور کئے جاتے ہیں، بچوں کی تعلیم و تربیت پر موصوف کی گہری نظر ہے، جن سے آغاز اسلام میں عرب مسلمانوں نے خوب استفادہ کیا، یہ تیسری صدی ہجری کے ہیں۔

دوسرے نمبر پر ابو الحسن علی بن خلف القابسی ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب ”رسالة المفصلة لأحوال المعلمين وأحكام المعلميين والمتعلمين“ میں قابل تقلید کردار ادا کیا، اور تیسرے مشہور مورخ احمد بن یعقوب جو ”ابن مسکویہ“ کے نام سے معروف ہیں، یہ چوتھی صدی ہجری کے ہیں، فن تدریس، تعلیم و تربیت پر موصوف کی تین اہم کتابیں ہیں: ۱- رسالۃ وصیۃ لطالب الحکمة، ۲- رسالۃ وصیۃ آخری لہ، ۳-

قدرومنزلت کو جانا ہے، طباء و مدرسین کے لیے علم کے آداب و حدود متعین کیے ہیں طالب علم اور معلم کو ان آداب سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔

”تربیت اسلامیہ“ جیسے اہم موضوع پر گہری نظر رکھنے والے جناب عبدالرشید بن عبد العزیز سالم اپنی کتاب ”التربیة الإسلامية“ میں رقم طراز ہیں: ایک عالم کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی خوش نوی اور ابلاغ دعوت کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ دنیا طلبی اور جاہ و منصب کی خواہش کے لیے، دوسروں کو دیئے جانے والا علم خالص اور حقیقت پسندانہ ہو، تحریف اور ملاوٹ سے پاک ہو، اس بات کی کوشش کرتا ہو کہ طالب علم کو تہذیب اخلاق اور فضائل و حسنات پر اچھارنا ہو، رذائل و کمیزی صفات سے دور کھٹا ہو، تقید صاحب اور مخالف رائے کو سننے کا جذبہ رکھتا ہو اور صابر و بردبار اور انصاف پسند ہو۔

طالب علم کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ حسن اخلاق، طہارت نفس اور پاکیزہ زبان کا مظاہرہ کرتا ہو، خواہشات کا مقابلہ کرنے اور شہوات پر غلبہ پانے کا عزم و ارادہ رکھتا ہو، طالب علم میں خلصانہ نیت ہو، مشکلات پر صبر کا جذبہ ہو، تحریف علم میں ہر ممکن کوشش کرتا ہو اور اس بات کا یقین رکھ کہ علم کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اور علم کی طلب گود سے گورنکہ بھیشہ باقی رہتی ہے۔

[التربیة الاسلامیة: ۲، ۷، ۷]

ان آداب اور علمی اقدار کے التزام میں بہت سے فوائد پوشیدہ ہیں جو طالب علم کو کائنات کے تختی حقائق کی واقعیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ آسمان وزمین کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے میں کتنی ہی توحیدی نشانیاں پہاڑ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کاملہ پر صریح دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ آداب و اقدار زندگی کے اصل مقصد اور حقیقی جا سکتا ہے، مخلص علماء نے علم کی اہمیت اور اس کی

یہ دونوں آئینیں دو، اہم مقاصد کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، ایک تو دین میں تلقیہ اور تدبیر پیدا کرنا، علم کی زینت سے اپنے آپ کو مزین و آراستہ کرنا اور دوسروں کو حسن تربیت و تعلیم سے ہمکنار کرنا، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت پیش کرنا، جس کی طرف خدا تعالیٰ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ”فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ يَتَفَقَّهُوْ فِي الدِّيْنِ وَلَيُنَذِّرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ“ [توبہ] اس آیت کریمہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے علم کو سب کے لیے عام کیا ہے، مسلمان یا تو معلم ہو سکتا ہے یا متعلم، مسلمان علم کو کبھی حقیر اور معمولی نہیں سمجھ سکتا، جیسا کہ اسلام سے پہلے کا ہیں اور ستارہ پرست علم کو اس کا جائز و مستحق مقام بھی نہیں دیتے تھے اور نہ ہی اپنے علاوہ کسی کو علم کی نعمت سے روشناس کرتے تھے، بل کہ علم کو اپنی آبائی جا گیر تصور کرتے تھے۔

قریبیتی علم حاصل کریں

سوال یہ ہوتا ہے کہ تحریف علم کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے، اس میں پیچتگی کیسے پیدا کی جائے، یہ سوال واقعی تفہی بخش جواب کا مستحق ہے، ماہرین تعلیم و تربیت اور نفسیاتی علوم کے ماہرین نے اپنے اپنے انداز سے اس کے جوابات دیے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم اللہ کا نور ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دے، اور چاہے جس کے قلب و ضمیر کو علم کی حقیقی روشنی سے منور کر دے، یہ اللہ تعالیٰ کے جانب سے توفیق کی بات ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس علم کا حصول بغیر اخلاص نیت، خلوص قلب اور نفس کی پاکیزگی کے ممکن ہی نہیں ہے، اسی کے ذریعہ عبادات، اعمال صالحہ اور اخلاق کو پاکیزہ کیا جاسکتا ہے، مخلص علماء نے علم کی اہمیت اور اس کی

صنعت و حرفت اور نیکان الوجی کے میدان میں ترقی کے باوجود داس کو صحیح سمت کی رہنمائی نہ ہوئی، لیکن ان تربیتی فکر کرنے والے رہنماؤں اور قائدوں نے پوری دنیا میں تعلیم و تربیت کی مشعل روشن کی اور اسی مشعل سے مغربی مفکرین نے استفادہ کیا اور اس مادی قابل میں ڈھال دیا، ہر ایک نے اپنے تجربات اور عقليٰ پختگی کے اعتبار سے استفادہ کیا۔ علمائے مغرب کی بھی تعلیم و تربیت کے باب میں کچھ آراء و نظریات ہیں جن کے وہ مختلف صدیوں میں حامل رہے ہیں، جن کے ناموں کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔

انیسویں صدی تک علمائے یورپ انہیں نظریات و افکار کے حامل رہے، بیسویں صدی میں مزید کچھ ایسے افراد سامنے آئے، جنہوں نے تعلیم و تربیت کے میدان میں کچھ جدا یہ آراء و نظریات و افکار شامل کئے اور آج تک یہ موضوع وسیع تر ہوتا ہی جا رہا ہے۔

دعوت کے میدان میں عالم کا کوہدار
دعوت الی اللہ کے میدان میں علم کی اہمیت و افادیت کے سی بھی وقت انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ علم ہی وہ بنیادی پتھر ہے، جس پر دعوت الی اللہ کا محل قائم ہے علم ہی بنیادی سند وہلاک ہے، جس پر ایک داعی اعلاء علمتہ اللہ کے لیے اعتماد کر سکتا ہے، اس لیے کہ داعی اپنی داعیانہ ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے جس حکمت و معنوں کا طالب و مقاضی ہے وہ علم ہی سے عبارت ہے حکمت و معنوں کی داعی کی کامیابی کی ضامن ہے، انہی دفعوں چیزوں کی وجہ سے دلوں کو مائل ہی کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب دعوت الی اللہ کے لیے ان دفعوں صفات کے اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا: "اذْعُ إِلَى سَيِّلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمُؤْعَظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَاهِدُهُمْ بِالْتَّيْهِ هِيَ أَحْسَنُ" [الخ] ظاہر ہے کہ بغیر علم کے حکمت و معنوں کے محاذ لہ بالاحسن کے

پر مشتمل ہے، یہ دیگر تربیتی کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ اہم کتاب شماری کی جاتی ہے، جو علم کے حقیقی معنی اور طالب علم کی فضیلت اور عالم و متعلم کے لیے اخلاقی اعتبار سے کن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے جیسے اہم موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔

اسی طرح علامہ برہان الدین رازوی جی امام غزالی کی کتاب "تعلیم المتعلم" بھی مسلمان اہل تربیت کی تربیتی آراء پر محیط ہے۔ علامہ رازوی جی امام غزالی سے بڑے متاثر ہیں، مسلمان اہل تربیت نے اس کتاب سے بہت استفادہ کیا، علامہ رازوی جی چھٹی صدی ہجری کے ہیں۔

وسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالباسط بن موتی بن محمد العلوی (متوفی ۹۸۱ھ) نے تربیت و تعلیم کے موضوع پر ایک گراں قدرت صنیف کی، جس میں عالم و متعلم کے آداب کا ذکر ہے، اسی طرح فتوی اور صاحب فتوی اور مفتی کے آداب بھی درج ہیں، مناظرہ اور اس کی شرائط کا بھی ذکر ہے، تعلیم و تربیت کے موضوع پر کچھ گئی ایسی تمام کتابیں امام سماعانی کی کتاب "طرازُ الذَّهَبِ فِي آدَابِ الطَّلَبِ" خطیب بغدادی کی کتاب "تفقید المعلم" اور علامہ سعیدی کی کتاب "مُعِيدُ النِّعَمِ وَمُبَيِّدُ النَّقَمِ" اور محمد بن ابی زید کی کتاب "أحكام المعلمین والمتعلمين" کے مثال قرار دی جا سکتی ہے۔

عصر اسلامی میں یہ حضرات تعلیمی و تربیتی فکر کے شہ سوار شمار کیے جاتے تھے، مل کہ اسلام و مسلمانوں کی تاریخ میں فکر اسلامی کی بیداری میں اہم کردار ادا کرنے والے رہنماءں جاتے ہیں، جنہوں نے مغرب کو روشن افکار و خیالات کا بہترین علمی تحفہ پیش کیا، اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو آج بھی مغرب فکری اندیھوں میں بھکلتا، جہالت و وحشت کے صحراء میں سرگردان رہتا اور

کتاب تہذیب الأخلاق و تطهیر الأعراف"۔ اسی طرح کچھ اور اہم رسائل بھی ہیں، جو "رسائل اخوان الصفا" کے نام سے مشہور ہیں "اخوان الصفا" باطنی فلاسفہ کی ایسی جماعت ہے، جنہوں نے دین کو قدیم فلسفہ کے ساتھ مغلوط کر کے یہ چاہا کہ اسلام میں تحریکوں کو تائید حاصل ہو جائے، ان فلاسفہ نے اپنے رسائل میں علوم و فنون کی وہی چیزیں شامل کی، جو ان کے زمانے میں راجح تھیں، یا ان کے نزدیک قبل اعتبار تھیں، تربیت کے باب میں ان کی آراء قبل قدر شمار بھی کی جاتی ہیں، وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ تعلیم کا اصل مقصد مادی و معنوی منافع کے ساتھ دین و عقیدہ میں مضبوطی اور چھٹگی رکھی جائے، ان فلاسفہ کے نزدیک حصول علم کے تین اہم ذرائع ہیں: ۱- حواس خمسہ، ۲- اخبار کا سنتا، ۳- لکھنا پڑھنا، ان کا کہنا ہے کہ تمام اچھائیاں کسی ہوتی ہیں، فطری نہیں، اور ان کی اصل یہی حواس ہوتے ہیں، ان فلاسفہ کا یہ اعتقاد ہے کہ تعلیم حسوسات سے نظریات تک پہنچتی ہے، اس لیے کہ نظر حسوسات کی بنیادی چیز ہے، حوصلہ کی تربیت کرتی ہے، اور امور عقلیہ کو مضبوط و طاقت و رکری ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کے مناقع میں یہ مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہوئی چاہیے:

علم النفس کے مباحث، عقل و معقول، حس و حسوس، علت و معلول، آسمانی کتابوں کے اسرار و رموز پر گہری نظر، نبوی ارشادات و تعلیم پر فقہی بصیرت، تقریباً یہی چیزیں "ابن سینا" نے اپنی کتاب "كتاب الساسة" میں درج کی ہیں۔
البستہ محدث کبیر شیخ ابو عمر یوسف بن عبد البر النمری اندری (متوفی ۹۳۶ھ) نے اس موضوع پر اپنی مشہور کتاب "جامعہ بیان العلم و فضیله و ما یَنْبَغِي فِي رِوَايَتِهِ وَحَمِيلِهِ" میں جود و بڑی جلد و اور

اسلامی کی قدر و مزارات اور خالص توحید کو مسلمانوں کے دلوں سے ختم کرنا چاہتے، تاکہ مسلمانوں کا اپنے دین کے بارے میں نظریہ بدل جائے، اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ اسلام بھی (نحوذ باللہ!) دیگر مذاہب کی طرح ایک زوال پذیر نہ ہے؛ یہودی، اور عالمی ماسونی تحریکیں یہی کام کر رہی ہیں؛ اور ظاہر ہے کہ باخبر عالم دین، اور داعی اسلام سے یہ چیزیں چھپی نہیں رہ سکتی۔

داعی کی یہ قسم گھرے اور پختہ علم کے بغیر نہیں پائی جاسکتی، وہ علم جزو زندگی اور کائنات کے تمام شعبہ جات پر حاوی ہو، جس کا داعی نے ہر اعتبار سے احاطہ کر کھا ہو، صحیح معنی میں یہی داعی حقیقی داعی شمار کیا جا سکتا ہے، جس کی طرف عظیم مفکر اسلام، داعی کبیر، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ ایک داعی عقری جو اپنے لیے اپنے ملک اور قوم کے لیے کوئی نیا راستہ منتخب کرے، جو انبیاء اور پیغمبروں کے لائے ہوئے دین خالص کی طرف لے جائے، اور وہ دین جو اس امت کو اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملا ہواں کی پیروی کرنے والا ہو، اور وہ اس علم کا پیروکار ہو جو کسی ایک قوم، شہر یا زمانہ کی ملکیت نہ ہو؛ بل کہ پورا عالم اس علم سے مستفید ہو، وہ دین ایک عظیم طاقت و قوت ہے جس سے انسانیت کی خدمت کر کے تہذیب و ثقافت کا عظیم و شاندار م حل قیمت کیا جا سکتا ہے۔

اسلام دیگر مذاہب کے اسباب وسائل سے استفادہ کی اجازت دیتا ہے، لیکن ان وسائل کی مقلد محض نہیں بناتا، اس لیے کہ مغرب جو ایمان کی طاقت و قوت سے محروم ہے کے پاس کوئی طاقتور روحانیت اور صاحع مقصد نہیں ہے، مغرب پورے طور پر شقاوت و بدختی اور انسانی تہذیب سے محروم زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

☆☆☆☆☆

کوئی معنی نہیں، یہیں سے یہ بھی پستہ چلا کہ ایک داعی علم و علم اور وسیع تر معلومات کے ممکن ہی نہیں ہے، ایک داعی کے انکار میں پختگی، ایمان میں رسوخ، عقیدہ میں مضبوطی، بصیرت میں کمال اور علم میں گہرائی ہو تو وہ صحیح طور پر دعویٰ کام کر سکتا ہے۔

کون داعی ناکام رہتا ہے

جو داعی معمولی علم اور سطحی بصیرت کے ساتھ دعویٰ کام کرتا ہے اکثر وہ ناکام ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ دعوت کے حقیقی معنی و مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہے، داعی الی اللہ کے لیے لازم و ضروری ہے کہ وہ صاحب بصیرت عالم، محقق فقیر کے لیے قابل تقاضہ عملی نمونہ بنے، اس کا علم کتاب و سنت کے تمام پہلوؤں کو محیط ہو۔ صحابہ و تابعین اور تاریخ اسلام کے مشاہیر کی زندگی پر گھری نظر رکھتا ہو، تاکہ وہ جہالت و فساد اور صحیح علم کے درمیان تمیز کر سکے اور دین کا مل اور دین ناقص کے درمیان فرق کر سکے، عقائد اور اس کی قدر و مزارات پیچاں سکے، اللہ تعالیٰ کے احکام، شریعت کے اسرار اور دین کی باریکیوں اور حکمتوں کو مکاہنة جان سکے، بندوں کے تعلق مع اللہ کا دراک کر سکے۔

ایسے مخلص باخبر اور دوراندیش داعی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ دنیا کے ان انکار و نظریات، تہذیب پول و ثقافتوں، اور ان ملکفولوں پر گھری نظر کے جو اسلامی نظریات و روحانیات اور سنجیدہ اسلامی فکر کے متصادم ہوں، اور یہ جان سکے کہ کون سرگرمیاں ہیں، جو دعوت دین کے خلاف بروئے کار لائی جا رہی ہیں، اور کون سے وہ اسلام مخالف منصوبے اور لائحہ عمل ہیں، جن کے ذریعہ اسلامی تہذیب و ثقافت اور خالص اسلامی فکر کو اسلامی دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں، مسلمان بحیثیت داعی اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ اسلام کے خلاف ان مخفی عالمی سازشوں کا باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے، جو اسلام کی ایمانی بیت اور فقة

کوئی معنی نہیں، یہیں سے یہ بھی پستہ چلا کہ ایک داعی کی زندگی میں علم کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے، علم ہی انسان کو دعوت کی امانت کا اہل بنا سکتا ہے، علم ہی کتاب و سنت کی خصوصیات اور شریعت عادلہ کا انتیاز بتا سکتا ہے، کائنات اور انسانی زندگی کے راز ہائے بستہ کا انکشاف کر سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ انکشافاتی اور کائناتی علم داعی کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب وہ اللہ کی کتاب قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں تحقیقی نظر رکھے، صحابہ کرام کی زندگی پر گھری نگاہ ڈالے، تاریخ اسلام کا وسیع علم رکھے اور ان عوامل کو سمجھنے کی کوشش کرے جن کی وجہ سے یہ دو شن تاریخ بنائی گئی، ایک داعی مخلص علم حقیقی اور دین خالص کی بنیاد پر ہی اپنی نیک اور اخلاقی زندگی بناسکتا ہے، جو دوسروں کے لیے بھی قابل تقاضہ نہونہ ہو اور انسانوں کے دلوں میں اس کی اثر انگیزی بھی ہو، دوسروں کو اسلامی تاریخ پڑھنے اور اس کے اعزاز پر بھی آمادہ کرے، جب بھی اہل دعوت علم و فقہ کی نعمت سے آراستہ ہوں گے، تو یقیناً وہ اپنے دعویٰ مشن میں حکمت و موعظت کو اختیار کریں گے۔ اور باطل طاقتوں اور مغزی فلسفہ کا پوری حکمت اور دنائی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے، پھر دعوت تو ایک ایسا عمل ہے، جو وسیع تر معلومات کا مقاضی ہے، داعی شریعت اسلامیہ کے مقاصد اور اس کی روح پر غائز نظر رکھتا ہے، اسی سے ایک داعی کی خصیت پا کیزہ زندگی سے متصف ہوتی ہے اور اخلاقی و باطنی پا کیزگی جیسی صفات داعی کی زندگی کو مکھارتی ہیں، دعویٰ بصیرت، علمی پختگی، جہالت اور اسلام کے اس داعی کے درمیان حداصل ہیں، جس نے تاریکی کو روشنی اور داعی نور سے بدل دیا، جس نے جاہل کو علم کی روشنی سے روشناس کیا ہو۔

حقیقت یہ کہ اسلام سراپا علم ہے، جس کا کوئی

دین پر صحیح عمل کی ضرورت

مولانا سید عبداللہ حسني ندوی

اسی لیے بچے سے کہا جاتا ہے، دکھا کر نماز پڑھو، اس کی نماز کیسے ہی ہو ظاہر ہے، بچے کھلتے بھی رہتے ہیں نماز میں، مار بھی دیتے ہیں ایک دوسرا کو، لیکن یہ بھی اگر نماز پڑھی تو مان لی جاتی ہے دیکھئے سات سال سے دس سال تک ہے، اور دوں سے پندرہ سال تک عادت کا ہے تین سال میں آپ نے عادت ڈال دی تو بالکل نہیں چھوڑے گا اور پندرہ سال تک عادت ہو گئی کی، اب پندرہ کے بعد جیسے ہی بالغ ہو گیا جب وہ عبادت میں داخل ہو گیا تو اب ظاہر ہے کہ اس کی ایک ایک چیز کاؤنٹنگ میں آجائے گی، تو پلہ اس کا اس وقت اور بلند ہونا چاہیے روحانیت کا، یا برابر کم سے کم رہے چونکہ جوانی بھی ہے، تو جوانی تو غرض کر دیوانی ہے، ادھر ادھر بھاگتی رہتی ہے تو اگر بھاگے بھی تو نماز وغیرہ ہوتی رہتی ہے تو نماز ہے، روزہ ہے، اور اچھے اعمال ہیں، یہ اس کے پاس ہوتے ہیں؛ جیسے باث ہوتا ہے آپ نے ادھر سامان رکھ دیا تو آپ اس کو ایک پالے میں رکھ دیں، دوسو گرام کا، چار سو گرام کا تو وہ برابر ہو جائے گا، اس طرح دونوں پلے برابر ہنے چاہئیں۔

Chek Up کر لیں

لیکن جب چالیس کا ہو جائے ”ختّیٰ إِذَا“ بلاغ اشْدَدَهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً“ [الاحقاف: ۱۵] قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ جب چالیس کا ہو جائے تو اس کو پچھے مڑ کر دیکھنا چاہیے کہ کیا کھویا کیا پایا؟ ایسا تو نہیں ہے کہ ہماری مایاٹ کی ہو، ہماری پونچی لٹ تو نہیں رہی ہے، اس وقت سے روحانیت کا پلہ بھاری ہونا شروع ہو جانا چاہیے، کیونکہ اب چالیس سال کے بعد چہرے بدلن لگیں گے تو چہرہ بدلتا جائے اور سیرت نکھرتی جائے یہ تصویر جتنی صورت خراب

مسلمانوں کی تعداد تو آج بہت زیادہ ہے؛ لیکن پھر بھی ڈھونڈھنا پڑتا ہے کہ مسلمان کہیں ہیں کہ نہیں آپ یہ کہیں گے کہ عجیب بات کہہ رہے ہیں، میں عجیب و غریب بات تو کہہ رہا ہوں لیکن بات تو ہے، یہ سو فیصد تقریباً صحیح کہ ابھی بھی چراغ لے کر ڈھونڈتے ہیں کہیں مسلمان مل جائے، لیکن ملتے ہی نہیں۔ اپنے کو بھی دیکھتے ہیں تو کامل نہیں وغیریں یہ اس کا، اگر کوئی شروع سے کرے تو کیا کہنے نور علی نور، لیکن شروع سے اکثر لوگ نہیں کرپاتے تو اللہ میاں کہتے ہیں کہ عمر بڑھتی جائے اس وقت تو یہ اس کرلو۔

کس پلے کا جھکاؤ ضروری ہے

اب ترازو کے دو پلے ہیں تو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دونوں برابر رہتے ہیں ایک روحانیت کا ایک مادیت کا، ایک طرف جسم کا، ایک طرف روح کا، تو ہوتا یہ ہے کہ بالغ ہونے تک تو دونوں برابر رہتے ہیں اس لیے کہ اس میں گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک بالغ نہیں ہوتا تو اس وقت تو دونوں برابر رہتے ہیں، اور بالغ ہونے کے بعد ہی گناہوں کا پلہ جھکنا شروع ہو جاتا ہے، اور جوانی میں اتنا جھک جاتا ہے کہ روحانیت غالب ہو جاتی ہے، تو ایسا نہیں ہونا چاہیے اصل میں ترتیب کیا ہے، فکر کر لی کہ نماز پڑھنے کے بعد یاد آتا ہے کہ نماز میں تھے تو ایسی نماز سے کیا فائدہ؟ اور اس کی فکر بھی نہیں کہ نماز اچھی ہو جائے، بہت فکر کی تو اتنی فکر کر لی کہ نماز پڑھنے والے بن جائیں؛ لیکن فکر تو تقریباً نہیں ہے کہ ابھی نماز پڑھنے والے بن جائیں، اس لیے کہ اسلام اس چیز کا بھی نام ہے، اسلام ہڑاؤ کا نام نہیں ہے، یا تو نیچے جائے گا یا اور پر جائے گا، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ٹھہر جائے آدمی کے

کہیں سے راستہ مل جائے وہ بھاگے نکل کر، کہنے لگے، ایسے ہی روح پر بیشان ہو جاتی ہے، جب فرشتوں کو دیکھتی ہے تو تڑپی ہے، جلدی سے نکل کر وہاں پہنچ جائے تو ان کا تڑپنا دوسرا ہوتا ہے دیکھنے میں تو تڑپ رہا ہے لیکن اس کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اوپر دیکھ کر تڑپتا ہے۔

وہ دنیا میں بھی دکھا دیتا ہے
ہمارے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کا بھی واقع پڑھا میں نے کہ مولانا کو موت کا بڑا شوق تھا، آخر میں اتنا شوق بڑھ گیا تھا: کہتے تھے: ”جنت میں جوان ہو کر جائیں گے“، بہت زور سے کہا کرتے تھے، حضرت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بوڑھی عورت سے مزار میں فرمایا تھا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی، تو بے چاری رو نے لگی، تو آپ نے فرمایا: نہیں! بوڑھی جائیں گی جوان ہو کر جائیں گی، فرمایا گیا: ”إِنَّمَا أَنْشَأْنَا هُنَّ إِنْشَاءً“ [الواقع: ۳۵] ہم بوڑھی عورتوں کو بالکل جوان بنا دیں گے بالکل نو خیز بنا دیں گے، تو مولانا پر اس کا خاص غلبہ تھا بالکل دیہات میں رہتے تھے، حیدر آباد میں پروفیسر تھے اور حیدر آباد میں لوگوں کے سامنے بڑی تقریریں فرماتے تھے لیکن اخیر میں لکھا ہے ان تمام چاہنے والوں نے، کہ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو اتنا شوق تھا ان کو موت کا، اور کہتے تھے جوش میں آ کر: ”جنت میں جوان ہو کر جائیں گے، مزہ آجائے گا“، اور یہ کہتے کہتے انتقال ہوا، کہہ کر لیٹ گئے تھے چادر اوپر کر جب لوگوں نے دیکھا تو انتقال ہو چکا تھا، اور دلپس بات یہ ہے کہ مولانا کی داڑھی بالکل سفید تھی، بال بھی پورے سفید تھے اور کان ڈھکے ہوئے تھے؛ لیکن انتقال کے بعد جس نے دیکھا پوری داڑھی سیاہ ہو چکی تھی اور کلے بھی بھر چکے تھے،

جب شدیدلو چل رہی ہوتی ہے، اگر آپ کسی جنگل کی طرف چلیں اور جنہوں نے سفر کئے ہیں وہ جانتے ہیں اگر جنگل کی طرف جا رہے ہوں تھوڑی دیر جنگل ابھی دوچار کلومیٹر دور ہو گا لیکن ٹھنڈی ہوا محسوس ہونے لگے گی، تو وہ کہتے ہیں جنگل آرہا ہے یا باغ آرہا ہے اور ثاثا برلا کی جو کمپنیاں ہیں میں وہاں سے گزر ہوں تو تین گزر ہی تھی اس کے کافی دور سے لیکن آج آرہی تھی ان کی جلوہا پھلاتے ہیں تو وہ آگ اتنی تیز تھی کہ وہاں سے آج محسوس ہو رہی تھی۔

تواب جب جنت میں جانے والا انسان اگر بن چکا ہوتا ہے تو جتنی عمر بڑھتی جائے گی اتنا ہی سکون ملتا جائے گا مٹھنڈی ہوا آئے گی اس لیے کہ موت قریب آرہی ہے جنگل میں داخلہ کا وقت قریب ہو رہا ہے تو سکون بڑھتا جائے گا اور اگر خدا نخواستہ اس کے برخلاف کوئی معاملہ ہے تو جتنی عمر بڑھتی جائے گی پر بیشانی بڑھتی جائے گی، اب کیا ہو گا؟ اس لیے کہ جہنم کی گرمی آنے لگے گی اسی لیے جو لوگ صرف دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ان کی حالت خراب ہوتی چلی جاتی ہے اور جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ جنت ہی جنت ہے ان کے اوپر تو سُمتی طاری ہوتی ہے۔

تڑپنا دو طرح کا ہوتا ہے

ہمارے حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددی فرماتے تھے کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ جب مرنے کا وقت آتا ہے تو اپھے دینداروں پر سختی ہوتی ہے اور وہ بھی تڑپتے ہیں، کہنے لگے اس کی مثال بتاتا ہوں جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں وہ کیسے تڑپتے ہیں کہا: ایک پنجرہ ہے جس میں طوطا ہے، آپ نے پال رکھا ہے، بند ہے اور سے، جب طوطا اڑتے ہیں وہ چیز کر کے بھاگتا ہے بے چیز ہو کر

ہو جائے یعنی بوڑھا پے میں لیکن سیرت اتنی ہی اچھی ہو جائے کہ اس کی جھلک بوڑھا پے میں آجائے تو جوانی کا سما ہو جائے یہ ہوتا ہے اسی لیے اللہ کے جو نیک بندے ہیں بوڑھا پے میں آپ ان کے چہرے کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جوان ہیں، یہاں تک کہ ایک بزرگ کے بارے میں ہمارے جو گزرے ہیں ان پر حضرت تھانوی فدا ہو گئے اور پوری زندگی انہوں نے لگادی، تو جب اسی سال کے ہوئے تو ایک شعر کہا اور گویا کہ سارے بزرگوں کی عکاسی کر دی، کہا:

دلکتا ہے چہرہ چکتی ہیں آنکھیں بوڑھا پے میں بھی جان جان ہو رہا ہے تو بوڑھا پے میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو ایسا چہرہ عطا فرماتا ہے کہ دیکھیں تو مزہ آجائے تو ہمارے حضرت مولانا کو جنہوں نے دیکھا ہے ۸۲-۸۵ سال کی عمر میں تو چہرہ کیا تھا؟ حضرت سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ مزاج کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ نیچے کا بوڑھا ہے اور کا جوان ہے، اور مولانا وصی اللہ صاحب سے بھی کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ نیچے کا بوڑھا ہے اور اوپر کا جوان ہے اور ایک لفظ اور کہا کہ نیچے کو بوڑھا ہی ہونا چاہیے، اور اس کے بعد اس پر پوری تقریری کی، تو معاملہ یہ ہے کہ آدمی جتنے اعمال حسنہ کرے گا تو چہرہ اس کا نکھرتا جائے گا، یعنی جو اعمال ابھی تک دے بے ہوئے تھے تو جوانی میں تو کچھ نہیں لیکن بوڑھا پے میں سب ختم ہو گیا تواب اعمال ہی اعمال رہ گئے تو اعمال کا اثر اس کے چہرے پر پڑے گا، تو آدمی جوان ہوتا چلا جائے گا، اس کے دل کی کیفیت بدلتی جائے گی۔

سکون میں اضافہ ہوا کہ نہیں؟
یہاں تک کہ یوں سمجھ لجئے کہ آپ کے گرمیوں میں آج کل تو جائز ہے گرمیوں میں

تو موت کا لفظ بھی نہیں استعمال کرتے تھے یہاں اردو میں الفاظ ہیں، حضور پروردہ فرمائے، حضور سے ملاقات نہیں ہوگی، یہ سب الفاظ موت سے ڈرنے کے ہیں، یہ سب شیعوں سے آیا ہے، یہ صاحب ایمان کا طرز ہی نہیں ہے، عربی میں تو اللہ کے رسول کے لیے موت کا لفظ ہے، یعنی یہاں تو ہم کو منھ سے نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے جو تقریر کی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے پر یہی لفظ سید حسیدہ استعمال کیا تھا: ”من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت و من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات“ [جامع الاحادیث للسیوطی] حومحمد کی عبادت کرتا تھا اس کو معلوم کر لینا چاہیے، کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، اس کو موت نہیں آئے گی۔

تو عربوں کے یہاں آج بھی یہ بات ہے کہ ان کے یہاں جو لوگ وہاں کام کرتے ہیں، (عربوں کے یہاں) ان کے ساتھ بڑے لطفی پیش آتے ہیں ایک کسی کا انتقال ہو گیا یہاں، تو تین دن کے بعد وہ چھٹی مانگتے ہیں کہ ہمارے یہاں فلاں کا انتقال ہو گیا ہے تو عرب بنس کر کہتے ہیں اب کیا کرو گے جا کرو ہاں؟ نہیں سے دعا کرو، ان کے لیے مغفرت کی، کہاں نہیں! گھر جانا ہے۔ گھر میں کیا ہے؟ کیا مردہ کو زندہ کر لو گے؟ جو ہو گیا سو ہو گیا، تین دن گزر گئے بات ختم۔ تو یہ عربوں کا مزاج ہے اور یہی اسلامی مزاج ہے، موت سے ڈر کیا ہے؟ اس لیے کہ موت تو گویا کہ چاہئے والے کو جس کو وہ چاہتا ہے اس سے ملانے کے لیے ایک پل ہے، اب پل پر سے آپ پار ہو گئے، تو ڈر کی کیا بات؟ اچھے لوگوں کے پاس چلے گئے، لیکن بات وہی ہے کہ ہمارے حالات اتنے

کوئی چیک کرنے والا نہیں، یہاں بھی آئی سی یو میں بھی دیکھیں کیا حالت ہے، آخر میں کیا حالت ہو جاتی ہے؟ ہمارے گھروں میں کتنی خطرناک اور درد کی بات ہے اور مسلمانوں کے لیے سب سے اعلیٰ درجہ سب سے عمدہ مقام اسی وقت ہوتا ہے جب وہ آخری وقت میں ہوتا ہے اگر ایمان پر خاتمه ہو گیا تب کوئی مسئلہ ہی نہیں، نہ رونے کی ضرورت، نہ پریشانی کی ضرورت۔

ایمان پر خاتمه کی قدر

حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے چار بیٹے تھے ایک بیٹے کی خبر آئی اس کا انتقال ہو گیا تو وہ پڑھا رہے تھے سن لیا، لیکن پڑھاتے رہے گھر گئے، اور باہر آئے اور کہا کہ میرے بیٹے ابوحنیفہ کا انتقال ہو گیا، جو ان تھے، اگر لوگ اس کو برانہ سمجھتے تو میں مٹھائی تقسیم کرتا، اس لیے کہ ابوحنیفہ کا انتقال ہو گیا اور ایمان کے ساتھ ہوا ہے، اسی لیے مجھے خوشی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ان کو اٹھا لیا، تو انہوں نے کہا اگر برانہ ہوتا تو مٹھائی بانتے۔

ہندوستان کا حال

بہر حال غم تو بری چیز ہے، لیکن انسان جب جاتا ہے، تو غم ہوتا ہی ہے، لیکن حد سے آگے نہ بڑھے، اب حد کی بھی کوئی حد نہیں رہی، جیسے حضرت حسین کا ماتم ہے اس کی بھی کوئی حد نہیں، آپ نے منع فرمادیا تین دن سے زیادہ تو ہے ہی نہیں تعزیت ہی، ہمارے یہاں عربوں میں تو ابھی بھی حال یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ وہاں اب بھی تعزیت نہیں کرتے، یعنی موت سے سب سے زیادہ ڈرنے والی قوم ہندوستان کی ہے جہاں تک میں ابھی تک سمجھ رہا ہوں، موت کا لفظ آیا تو اس کی موت ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے لکھنؤ وغیرہ میں پہلے بڑا روانح تھا جب نوابوں کا دور تھا

رسال کے نوجوان معلوم ہو رہے تھے تو یہ اللہ تعالیٰ دکھا بھی دیتا ہے کہ ان کو شوق تھا تو اللہ تعالیٰ نے گویا کہ ان کے شوق کی لاج رکھ لی، اور دنیا میں بھی لوگوں کو دکھا دیا میرے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ میں بھی دکھا دیتا ہوں کہ دنیا سے جانے سے پہلے ہی جوان ہو گئے، ابھی جنت میں پہنچ بھی نہیں پائے ہیں؛ لیکن جوانی کا عالم طاری ہو گیا تو یہ ہے وہ چیز جو ہم کو سی بھی درجہ میں حاصل کرنی چاہیے۔

افسوس ناگ صورت حال

آج ہمارے محلوں اور گھروں میں حالات کیا ہیں؟ سیرت بنانے کا اپنے کو اچھے اعمال سے وابستہ کرنے کا شوق ہی ختم ہو گیا، اب تو صرف موبائل سے اس کی تصویریں ہیں اور گندگی ہے، گندگی کی مٹھیں ہیں، یہاں تک کہ اچھے خاصے بوڑھے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس کو دیکھ رہے ہیں، ابھی ایک کتاب چھپی ہے پاکستان سے وہ دیکھنے میں بہت خطرناک چیز ہے، ایک پاکستانی ڈاکٹر ہیں، جو آئی سی یو میں کام کرتے ہیں، تو انہوں نے عجیب و غریب بات لکھی، انہوں نے کہا میں آئی سی یو میں سینکڑوں آدمیوں کو دم دیتے ہوئے دیکھتا ہوں تو ایک بات بڑے افسوس کی ہے جو میں کہنے جا رہا ہوں کہ آئی سی یو میں سے صرف دو یا تین کوکلمہ نصیب ہوا ہے، پاکی اکثریات تو حساب کرتے ہوئے مرے ہیں، یا ٹو ڈی دیکھتے ہوئے مرے ہیں، آئی سی یو میں بھی ٹو ڈی لگوادیا ہے، اب وہاں لیٹے لیٹے دیکھ رہے ہیں، کہنے لگے موت آئی نہیں گندی فلموں کو دیکھتے ہوئے موت آئی، لیکن گلمہ کے ساتھ تو سو (۱۰۰) میں دو تین کو، تو سو (۱۰۰) میں دو تین کا اعتبار چل رہا ہے، یا آپ اندازہ لگائیے، وہ تو خیر سب مسلمان ہیں وہاں، ان کا یہ حال ہے یہاں تو

ہے، جسم کی نماز بھی گویا کہ پوری نہیں، پیشانی کہاں رکھی جائے؟ ناک کہاں رکھی جائے؟ گھٹنا کہاں کیسے ہونا چاہیے؟ ہاتھ کیسے رکھنا چاہیے؟ اور رکوع کیسے ہونا چاہیے؟ مسجد کیسے کرنا چاہیے؟ مجھ میں کتنی دیر بیٹھنا چاہیے؟ یہ ساری چیزیں ہیں، یہ جسم کی ظاہری نماز ہے، اس کو بھی نہیں کر پاتے، تو پھر قلبی نماز، دماغی نماز، قلب کی نماز خشوع والی اور خضوع والی دل لگے اور دماغ کی یعنی سمجھ کر پڑھیں: "حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ" [النساء: ۲۳]

یعنی، ہم نے کہا کہ اللہ اکبر! اور یہ بھی نہیں معلوم کیا کہ میر ہے ہیں؟

معنی تو معلوم کر لیں

افسوس تو یہ تک ہے کہ اللہ اکبر کے معنی معلوم نہیں، حالانکہ اللہ اکبر کہنے ہی سے یہ ہونا چاہیے کہ ہم نے سب کو اس کے پیچھے ڈال دیا، سب جاؤ پیچھے، اب کوئی بڑا نہیں، بولے اللہ اکبر، گویا کہ اللہ کی بارگاہ میں جب آگئے تو چاڑ کر آگئے، اب کسی کی بڑائی دل میں اتنی بھی نہیں ہے، صرف اللہ بڑا ہے، پھر شنا، اور تعوذ پڑھا، لسم اللہ پڑھی، اور اس کے بعد سورہ فاتحہ میں مانگا، کیا مانگا یہ بھی نہیں معلوم یعنی آپ اندازہ لگائیے کہ اگر آپ کسی کے پاس درخواست لے جائیں اور آپ کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کیا مانگا ہے درخواست دے دی اور اگر پوچھ لیا کہ کیا مانگا ہے؟ اس میں کیا لکھا ہے، تو یہ ہی نہیں پختہ، اب منہ دیکھ رہے ہیں، تب تو درخواست ہی وہ چاڑ کر پھینک دے گا، جاؤ، اور ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم کو پتہ ہی نہیں ہے تو اتنا تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ الحمد للہ کے کیا معنی ہیں، الرحمن الرحیم کے کیا معنی ہیں، آسان ہے بالکل، سب کو زبانی یاد ہے، تو زبانی معنی یاد کرنے

ہے، جس کو اوپر سے انہوں نے چپا رکھا ہے، اور نئے نئے انداز سے اس کو بیان کر دیتے ہیں، جس کا نہ سر ہے نہ پیر، ایک لفظ بھی تو صحیح ہو، نہ تاریخ سے ثابت ہے، نہ اہل بیت سے ثابت ہے، کسی سے ثابت نہیں لیکن:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسن کر شمہ ساز کرے اور بات یہ ہے کہ سب دشمن اہل بیت ہیں، کہ اہل بیت کو بدنام کرنے کے لیے جو چاہیں کریں، اور خود اہل بیت میں تو ابو بکر بھی ہیں، عمر بھی ہیں، عثمان بھی ہیں، علی بھی ہیں، سب اہل بیت ہیں، اس لیے کہ اللہ کے رسول کے دوسرے ہیں، اور دو داماں ہیں، کس کو نکالو گے؟ اور دوسری ازواج مطہرات ہیں، اور پھر حضرت عمر حضرت علی کے داماں ہیں اور ان کے صاحبزادوں (حضرت علی) ابو بکر ہیں، عمر ہیں، وہ بھی سب ختم کر دیئے، ان نالائقوں نے ان کے نام تک مٹا دیئے، بات بھی ہے کہ جب آدمی صحیح راستہ پر نہیں چلے گا، تو یہی ہو گا، صحیح معلومات نہیں حاصل کرے گا تو یہی ہو گا جو میں نے ابھی شروع میں بات عرض کی تھی۔

سوق می ختم ہو گیا

آن ہم لوگ جیسے ہیں ویسے تو ہیں، دوسرے یہ کہ اچھا کرنے کا شوق بھی نہیں ہے، یعنی نماز پڑھنے والوں کو یہ شوق نہیں کہ اچھی نمازیں ہوں، آپ خود غور کر لیجئے کتنے لوگ پوچھتے ہیں نماز اچھی کیسے کریں، ورنہ تہما نماز جو ہے اس کی چار شکلیں اور ہے، آج کل یوں بڑا اونچا ہوتا ہے پوسٹر بڑے شاندار اور دکان کا سائن بورڈ بڑا شاندار شوکیس بڑا شاندار لیکن اندر کچھ نہیں ہے، پیکٹ بہت اچھا ہے، آج کل بس بھی چل رہا ہے تو ان کا بھی معاملہ بس بھی ہے اندر کچھ بھی نہیں، خالی ہے، جھوٹ کا پلنڈہ ہے، گندگی کا ایک پیکٹ

خراب ہیں کہ ڈرنا ہی چاہیے، ہمارے حالات اس لائق نہیں ہیں کہ ہم وہاں جا سکیں اس وجہ سے ہم کو ڈر لگتا ہے تو ہونا یہ چاہیے صاحب ایمان کا معاملہ، کہ اس کو ڈر کی کوئی بات نہیں۔

ایک لطیفہ اور یاد آیہاں ماشاء اللہ آج دل محرم ہے ہی، غم حسین منایا جا رہا ہے ہر جگہ، تو وہاں شیعوں میں ایمان وغیرہ میں تو ہے، لیکن سعودیہ، مصر و شام میں ماشاء اللہ نہیں ہے، تو وہاں سے کوئی صاحب آئے یہاں ماتم چل رہا تھا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے، کہا حضرت حسین کا غم منار ہے ہیں کہنے لگے لیکن کیا ہندوستان میں اب خبر پہنچی ہے چودہ سو سال کے بعد، ارے یہ واقعہ تو چودہ سو سال پہلے کا ہے، اور ان تک خبر پہنچ رہی ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں بے وقوفی کی بھی ہیں، کم عقلی کی بھی ہیں، اور بے علمی کی بھی ہیں، کچھ جانتے نہیں، نہ قرآن جانتے ہیں، نہ حدیث جانتے ہیں اور نہ اہل بیت کو جانتے ہیں، اہل بیت کبھی ایسا کرہی نہیں سکتے، اہل بیت تو ایسا صبر کے پیکر تھے لیکن جہاں ماتم کرنا وغیرہ ہے یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے، لیکن بہر حال سب ہو رہا ہے اور انہی کے نام پر ہو رہا ہے:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں ظاہر ہے کہ اس وقت تو ہر جگہ ایسا ہی ہے جو نام بڑا استعمال کر لے سمجھ لیجئے اس کے پیچھے کچھ اور ہے، آج کل یوں بڑا اونچا ہوتا ہے پوسٹر بڑے شاندار اور دکان کا سائن بورڈ بڑا شاندار شوکیس بڑا شاندار لیکن اندر کچھ نہیں ہے، پیکٹ بہت اچھا ہے، آج کل بس بھی چل رہا ہے تو ان کا بھی معاملہ بس بھی ہے اندر کچھ بھی نہیں، خالی ہے، جھوٹ کا پلنڈہ ہے، گندگی کا ایک پیکٹ

کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے میں ماں سے زیادہ شفقت والا ہوں جب ماں سے زیادہ شفقت والا ہے تو جس طرح گندگی لگی ہوتی ہے، بچہ میں، اور وہ روتا ہے، صفائی نہیں کرنے دیتا دھویا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تکلیف میں ڈالتے ہیں کہ دھلائی ہو جائے جب دھولیا تو اس کو بالکل مزہ آجائے گا اور بالکل مزین ہو کر چلا جائے گا، میرے بھائیو اور دوستو! ضرورت اس بات کی ہے، کہ تم اپنے آپ کو بنا نہیں آگے بڑھائیں یہ نہ ہو کہ ہم پیچھے جائیں یہ دونوں کی گنجائش نہیں ہے، یا تو ہم آگے بڑھیں یا پیچھے بٹھیں گے، اور یہ اسی وقت ہو گا جب ہم میں سے ہر شخص یہ طے کر لے کہ ہم کو اچھا کام کرنا ہے، اور اس کے لیے منحت کرنی ہے، اور کوشش کرنی ہے، جتنی ہمارے بس میں ہے، باقی تو ظاہر ہے کہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جیسے میں نے عرض کیا کہ ہم تھوڑی بھی محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے وہ تو دوڑ کر اٹھایتا ہے جیسے بچہ ہوتا ہے، چھوٹا باپ کہتا ہے اے بچے چل کر آؤ، اٹھو، ابھی چنانہیں آتا، اس کو تو ذرا سا چلا دو قدم اور دوڑ کر اٹھا لیا، واہ واہ میرا بچہ تو خوب چلا، حالانکہ نہ بچہ چلانہ دم ہے کہ چلے، ایسے ہی ہم لوگ بھی بچہ کے بچے کے بچے ہیں، اللہ میاں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہے؟ ہم ذرا سا بھی چلنے لگیں تو اللہ میاں اٹھائے گا، کہ ہمارا یہ بندہ ہماری طرف آ رہا ہے، اسی لیے اللہ میاں کہتے ہیں جو ہماری طرف آئے گا میں بھی دوڑ کر آؤں گا حدیث میں آتا ہے، اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن: ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو وینق عطا فرمائے۔

کے اور پھر تیسرے کے، آگے تک سیکھیں، بغیر سیکھے سائیکل چلانا ہی نہیں آتی، نماز پڑھنا کیسے آجائے گی؟ اور ہم لوگوں نے دیکھا دیکھی نماز پڑھنا شروع کر دی تو نماز پڑھنے لگے، لیکن جیسی نماز ہونی چاہیے ویسی آج تک نہیں ہوئی، ہم تک کو نصیب نہیں ہے، لیکن کوشش کرنے پر تو اللہ تعالیٰ بہت دیتا ہے پھر حافظ کے بارے میں فرمایا جو حفظ کر رہا ہو اور کوشش کر رہا ہوا گر مر جائے تو حافظ اٹھایا جائے گا اسی طرح عالم اور بزرگ ہونا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح اور غلط کو معلوم کر سکے، اور جس بستی میں انسان کو اصلاح ہو پانے کی امید نہ ہو تو چاہیے کہ اس بستی میں نہ رہے، تاکہ تبدیلی آجائے۔

احتیاط کا درجہ

حدیث میں بھی آتا ہے یہاں تو ہونا ممکن نہیں ہے، فرمایا گیا تمہارا اگر کافروں کے علاقے سے اتنا دور ہونا چاہیے کہ تمہاری آگ کو وہ نہ دیکھیں اور تم ان کی آگ کو نہ دیکھو، یہ حدیث کے الفاظ ہیں لیکن آج کل تو بڑے بڑے فیٹ لیتے ہیں، جا کر انہی کے گھر میں عیش کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے کو دکھ دیتے ہیں اور اپنے ایمان کو قتل کرتے ہیں اور جہنم کا راستہ سیدھا کرتے ہیں، خوب جاؤ وہاں اہل کفر سے قریب ہو جاؤ محبتیں کرو، اللہ کے یہاں معلوم ہو جائے گا ہاں ضرورت کوئی خریدے تو الگ بات ہے کوئی بات نہیں ہے۔

هم تو مائل بہ کرم ہیں

کوئی سائل ہی نہیں

آدمی جب کوشش کرتا ہے نیک ہونے کی تو اللہ تعالیٰ کیسا ہی گناہ ہو اس کو وہ اٹھایتا ہے، اس لیے کہ بچہ کے گندگی الگ جاتی ہے، چھوٹا بچہ جو ہوتا ہے ماں اس کو دھلائی ہے، اور پھر اس کو پیار بھی

میں کیا جا رہا ہے؟ تاکہ جب اللہ اکبر کہیں تو جی لگے اللہ اکبر، اور جتنا سمجھ کر پڑھیں گے تو مزہ آئے گا، بارگاہ خداوندی میں حاضر ہیں آپ، اور ہاتھ پھیلائے ہوئے مانگ رہے ہیں کہ یہ بندہ مکترین ہے، اور آپ رب عظیم ہیں، آپ سے مانگ رہے ہیں، تو یہ اللہ کے بندے جب کرتے تھے پہلے، اسی لیے ہمارے یہاں مسجدیں عمدہ بن رہی ہیں، تو نماز خراب ہوتی جا رہی ہے۔

یہ سنت بھی ادا کرو

اسی لیے ہمارے حضرت مجدد صاحب نے لکھا ہے کہ بھی کبھی ایسی مسجد میں چلے جاؤ کہ جو ٹوٹی ہو، اور مٹی میں سجدہ کرو جا کر، یہ جو بہت عمدہ عمدہ قالینوں پر کرتے ہو اور اب تو ماشاء اللہ اے سی مسجد میں ہوتی چلی جا رہی ہیں، برا نہیں ہے اچھا ہے، جتنی راحت ہے اتنا ہی اچھا ہے، لیکن یہ بھی مجدد صاحب نے لکھا ہے کہ اپنی پیشانی ٹیکو جا کر اصلاح تو نماز اسی میں پڑھی جاتی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے سجدہ کیا تو کچھ آپ کے یہاں بھرا ہوا تھا، رات میں پانی بر ساتھ مسجد کی تھی، اور سے پانی پٹکا، رمضان کے دن اسی پر آپ نے سجدہ کیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا بڑھ کر ہیں؟ ہم لوگ آخر کیا ہیں؟ ہم لوگ تو ان کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کے غلام ہیں، اور اس میں بھی اگر ہمارا نام آجائے تو بہت بڑی بات ہے، یہ تو بہت دور کی بات ہے۔

سیکھنا ضروری ہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کو سمجھیں اور جس طرح ہمارے اندر تبدیلی ہو رہی ہے ایسے ہی دین میں بھی تبدیلی ہو یعنی ترقی کریں دین میں، ثنا کے معنی معلوم کریں، کل دوسرے

تصویر وطن

مقدوس کتابوں اور مذہبی شخصیتوں کا احترام

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

دروازہ سب پر کھلا ہوا تھا۔

یہ آزادی اور مساوات کا نتیجہ تھا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اس ملک میں بنتے اور رہتے تھے، اگر ایک خاندان کے باشاہ پر دوسرے خاندان کے حکمران حملہ آور ہوتے تو پوری قوم مل کر ان کا مقابلہ کرتی، اگر ہندو مہاراجہ کی رعایا مسلمان ہوتی تو وہ اپنے راجہ کی حمایت میں مسلمانوں سے بھی لڑتے تھے، اور اگر مسلم بادشاہ کی کسی سے جگ ہوتی، چاہے وہ غیر مسلم راجا ہی کیوں نہ ہو، تو ان کی رعایا کے ہندو بھی پوری وقت کے ساتھ اپنے بادشاہ کا دفاع کرتے تھے، کہیں یہ تصور نہیں تھا کہ ایک قوم دوسری قوم کی غلام ہے، افسوس کہ موجودہ دور میں کچھ نفرت کے سودا گر شہر سے دیہات تک نفرت کا زہر پھیلا رہے ہیں، اس سرزی میں میں محبت و بھائی چارے کا جو رنگ تھا، اس کو انہوں نے بھلا دیا، ان کو محبت کی مٹھاس کے بجائے نفرت کی کڑواہٹ میں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ ملک کے ہندو اور مسلمان بزرگوں نے ایک دوسرے کی مذہبی کتابوں اور شخصیتوں کے بارے میں جو محبت و احترام کا رویہ اختیار کیا ہے، اس کوئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی میں ہندو بزرگوں نے اسلامی علوم بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر، بہت فراخ دلی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، اور مسلم مصنفوں و شاعروں نے بھی ہندو مقدس شخصیتوں کے بارے میں بہت احترام کے ساتھ اپنی باتیں کہی ہیں، مسلم حکمرانوں میں اکابر نے متعدد ہندو مذہبی آخذ کو فارسی میں منتقل کرایا، اس نے ”زم نامہ“ کے نام سے مہا بھارت کا ترجمہ کرایا، جو کروں اور پانڈوؤں کی

استعماریت پسندوں نے ان ملکوں کو معاشی اعتبار سے کنگال کر دیا تھا اور انہیں مغرب میں ملازamt کے موقع حاصل ہوئے، یہ مجبوری تھی جس نے آج کے ترقی یافتہ ملکوں میں مختلف مذہبی گروہوں کو جمع کر دیا ہے اور اب لادینی ریاست کے قصور نے ان کو آزادی سے ہمکنار کر دیا ہے۔ لیکن ہندوستان میں مختلف مذاہب کے ماننے والے شیر و شکر ہو کر ایک قوم کی طرح رہے، انہوں نے اپنی مرضی سے اپنے پسندیدہ مذہب کو قبول کیا اور اس پر عمل بھی کرتے رہے، وہ ایک آزاد قوم کی طرح اس سرزی میں رہے؛ اس لیے وہ ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے؛ بلکہ بھائیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، ایک قوم کی دوسری قوم پر حکومت نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ ایک بادشاہ، مہاراجہ کی اس زمانہ کے دستور کے مطابق حکومت ہوتی تھی اور بحیثیت رعایا تمام قوموں کے افراد برابر ہوتے تھے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوتے تھے، دیکھا جائے تو ہندوستان میں محمد بن قاسم کی آمد سے ۷۸۵ء تک مختلف بادشاہ گزرے، وہ الگ الگ خاندانوں سے تعقیل رکھتے تھے، لیکن ایک پوری قوم اور ایک پورا خاندان حکمرانی نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ ایک فرد کی حکمرانی ہوتی تھی اور بحیثیت رعایا سب لوگ برابر ہوتے تھے، انصاف کا پیانہ ایک ہی ہوتا تھا، فوج اور نظم حکومت میں سہوں کی شویلت ہوتی تھی، تعلیم کا لوگ وہاں موجود تھے، دوسرے اس لیے کہ مغربی

ان مظلوم مزدوروں کی کئی نسلیں گزر گئیں، اور آنے والی نسلیں ان ہی ملکوں کے باشندہ قرار پائے، آباء و اجداد کی پیشانی پر غلامی کا جو داغ لگایا گیا تھا، وہ آہستہ آہستہ مضم ہوتا گیا، پھر ان کے ہم نسل لوگوں کا بھی ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کی طرف سفر ہوا، ایک تو اس لیے کہ ان کے نسل کے لوگ وہاں موجود تھے، دوسرے اس لیے کہ مغربی

Mohammad The Prophet Of Islam کرن راؤ نے سیرت پر مختصر رسالہ کھا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے علاوہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر بہت سے اعتراضات کے جواب بھی دیے ہیں، ڈاکٹر این کے سنگھ ڈاکٹر کیمپر انٹرنیشنل سنفرارز یونیورسٹی میں اسٹنڈرڈ میڈیسی ن اپنی کتاب **Prophet Mohammad** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی سیرت پر پورے انصاف و عظمت کے ساتھ گفتگو کی ہے، جناب راجندر نارائن لال نے ”اسلام، ایک خدائی نظام“ کے عنوان سے ہندی میں ایک کتاب لکھی ہے، اور بہت سیر چشمی کے ساتھ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اور تعجب کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں فتح مکہ کے وقت ایک شخص کی بھی جان نہیں ڈالی، جب کہ دیگر دھارمک پر انوں کے قصور میں اوتاروں اور دیتاوں کے ذریعے سے خالقین کے خوف ناک قتل عام کا تذکرہ مذکور ہے، سوامی لکشمی آچاریہ (مولود: ۱۹۵۳ء) ابھی باحیات ہیں، انہوں نے ہندی میں ”اسلام آنکہ وادیا آ درش؟“ لکھی ہے، جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بہت ہی انصاف اور خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، ہندوستان میں اسلام کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا پردہ بھی چاک کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذکر کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد اصلی

انعام تک کا ترجمہ ہے، ۱۹۳۸ء میں چلوکوری نرائن راؤ کا ترجمہ قرآن اشاعت پذیر ہوا، جو آندرہ اپریلیش میں لسانیات کے استاذ تھے، ان کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن مجید امن کا داعی ہے، ۱۹۳۷ء میں ریش لوکیش راؤ نے تلکووزبان میں قرآن مجید کی ۱۰۲۵ آیات کا ترجمہ کیا، جس کی حیدر آبادی سے اشاعت ہوئی، سیتا دریوراما کا ترجمہ قرآن ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا، یہ سنسکرت زبان میں ہے اور اس کا نام ”سنکرتم قرآن“ ہے، سیتا دیو.جی نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے کچھ حصہ کا ترجمہ کیا ہے، جو ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا، بنگالی زبان میں گریش چندر نے تین جلدیوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے، جس کی اشاعت ۱۸۸۶ء میں ہوئی ہے، قرآن مجید کا ایک محتاط ہندی ترجمہ نے ہماراوشٹھی نے کیا ہے، جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے، یہ مولانا عبد الماجد ریاضادی کے ترجمہ سے مستقاد ہے، اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اس پر مقدمہ لکھا ہے، اس موقع پر مشہور و مقبول ہندو مذہبی رہنماء و نوباء بھاوے کی ”روح القرآن“ کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی، منتخب آیات کا ترجمہ ہے۔

قرآن مجید کے بعد اسلامی علوم میں سب سے زیادہ اہمیت سیرت نبویؓ کو حاصل ہے، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہندو اہل علم نے بہت فراخ دلی کے ساتھ اپنی نگارشات پیش کی ہیں، ۱۸۸۵ء ہندوستان کے ادباء میں پریم چندر (۱۹۳۶ء) کا نام کوئی نہیں جانتا، وہ ایک کامیاب افسانہ نگار اور ناول نگار تھے، انہوں نے اسلامی تہذیب پر اپنے مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے تصور مساوات کو پوری قوت و انصاف کے ساتھ پیش کیا ہے، پروفیسر راما

داستان جنگ ہے، اس نے بھگوت گیتا کا ترجمہ کرایا جو شری کشن جی کے مواطن و صاحب کا مقبول مجموعہ ہے، اس نے رامائی، اپنیشد اور اختروید کا ترجمہ کرایا [روڈ کوثر: ۳۶۱] علامہ شبلی نعماقی نے اپنے مضمون میں متعدد مسلم حکمرانوں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے ہندوؤں کے مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا سنسکرت سے عربی و فارسی میں ترجمہ کرایا، مسلمانوں کے معتبر علماء نے کبھی ہندو بھائیوں کی مقدس شخصیتوں کے بارے میں کوئی بری بات نہیں کی، بلکہ ان کا نام احترام کے ساتھ لیا، علماء نے یہ تصور بھی دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اکثر قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تعلیمات کو سخن کر دیا اور پس پشت رکھ دیا، ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہندو بھائی جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، وہ اصل میں خدا کے پیغمبر ہے ہوں، یہ ایسا تصور ہے کہ جو مسلمانوں کو اسلامی نقطہ نظر سے اس بات کا پابند بنتا ہے کہ وہ جائز حدود میں ان شخصیتوں کے احترام کو لخوڑ رکھیں، اور ان کی بے احترامی سے اپنی زبان و قلم کو بچائیں، اب یہی دیکھئے کہ علامہ اقبال جیسے بلند پایہ اسلامی شاعر نے شری رام جی کو ”امام الہند“ کا لقب دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں صدیوں حکومت کرنے کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار قدیم ترین مندر یہاں اپنی شان و شوکت کے ساتھ موجود ہیں، جن کو کسی حکمراں نے چھوٹ کئی نہیں، ظاہر ہے کہ یہ مذہبی رواداری کی واضح مثال ہے۔ اسی طرح ہندو مصنفوں نے بھی اسلامی علوم کی بہت ہی نمایاں خدمات انجام دی ہیں، چنانچہ پریم سرن پرنت نے قرآن مجید کا ترجمہ دینا گری میں کیا جو ۱۹۰۷ء میں آگرہ سے شائع ہوا، یہ سورہ

اپنی نعت گوئی پر جذبہ شکر کے ساتھ کہتے ہیں: مشغله نعتِ نی کا ہے مجھے شکر خدا بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقدر مجھ کو نعمتیہ ادب کی دنیا میں چودھری دُلو رام کو شری (۱۸۸۲ء-۱۸۳۳ء) کا نام بھی ایک حرف روشن کی طرح ہے، انہوں نے ایسے عقیدت مندانہ اشعار کہے ہیں کہ ان سے جو شخص واقف نہ ہو، اس کو شہبہ بھی نہ ہو گا کہ یہ کسی ہندو کا شعر ہے، ایک نعت کے مقطع میں خود اپنے بارے میں کس خوبصورتی کے ساتھ کہہ گئے ہیں:

لے کے دُلو رام کو حضرت گلے جنت میں جب غل ہوا، ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے ہندو شعراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑے خوبصورت سلام بھی کہے ہیں، اس سلسلہ میں جگن ناتھ آزاد کا سلام دنیا نے نعت میں ستاروں کے درمیان چاند کی طرح ہے، جس کا اختتام اس بامعنی شعر پر ہوتا ہے:

سلام اس ذات اقدس پر چیات جاودائی کا سلام آزاد کا، آزاد کی رنگیں بیانی کا بارگاہ نبوت میں ہندو شعراء کا خراج عقیدت ایسا عنوان ہے، جس کے لئے ایک مضمون یا ایک خطبہ کافی نہیں، کتاب یا کتاب کی کئی جلدیں مطلوب ہیں، بہر حال اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے بزرگوں میں ایک دوسرے کے مذہبی مقدسات کا کس درجہ احترام تھا۔

اسلامی علوم کی خدمت کا ایک اہم پہلو نشر و اشاعت ہے؛ چنانچہ بہت سے غیر مسلم ناشرین اور مطابع نے اسلامی کتابوں کی اشاعت کی گرائی قدر خدمت انجام دی ہے، اس سلسلہ میں مشنی نول کشور کا نام سب سے اوپر ہے، وہ ۲۳۸۱ء میں پیدا ہوئے، اور ۸۵۸۱ء میں

انگریزی سے ترجمہ پروفیسر احمد الدین مارہروی، The Prophet of the desert کا اردو ترجمہ ہے، یہ کتاب مصنف نے اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد لکھی ہے، مصنف نے اس کو اپنے مسلم نام خالد طیف گaba (K.L.

Gauba) کے نام سے شائع کیا ہے؛ لہذا اس کو غیر مسلم مصنفوں کی کتب میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔

اگر شعروخن کی طرف آئیں تو ہندو شعراء نے جس محبت و فراخ دلی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعمتیہ اشعار کہے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں، یہاں چند ناموں کا ذکر مناسب ہو گا:

مہاران کلیان سنگھ (۱۸۲۲ء-۱۷۴۹ء)، دہلی کے رہنے والے تھے، اور عاشقِ تخلص اختیار کرتے تھے، وہ اپنی نعت میں کہتے ہیں:

محمد ہیں محبوب پروردگار
محمد ہیں، مطلوب پروردگار
مرزا غالب کے فیض یافتہ شنکر لال (۱۸۶۰ء-۱۸۹۰ء) جو ساتی تخلص کرتے تھے، اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے
خیال اہل داش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے
پنڈت امرناٹھ مون ساحر (۱۸۶۳ء-۱۹۲۲ء) کی نعت کا ایک شعر ہے:

ہے سایہ نور باعثِ ایجاد و مفتر
جس کے وجود جو د سے رحمت نہال ہے
سلطنت آصفیہ کے وزیر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد شاد (۱۸۲۰ء-۱۹۲۰ء) کی نعمتوں کا مجموعہ ”ہدیہ شاد“ طبع ہو چکا ہے، انہوں نے مدحت نبوی میں بڑے خوبصورت اشعار کہے ہیں، وہ

دنیا میں سچائی اور امن کا قیام اور دہشت گردی کی مخالفت ہے؛ لہذا اسلام کو تشدد اور دہشت گردی سے جوڑنا سب سے بڑا جھوٹ ہے، اگر کوئی (تشدد) کا واقعہ ہوتا ہے تو اس کو اسلام سے یا پوری مسلم امت سے جوڑا نہیں جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہندوستان کے غیر مسلم بھائیوں نے بڑی اہم کتابیں اور رسائل لکھے ہیں، جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

- سوانح عمری حضرت محمد صاحب بانی اسلام: شروع پر کاش دیوبھی، (طبع اول لاہور: ۱۹۰۷ء)
- رسول عربی: گروہت سنگھدارا، (طبع اول اعظم گڑھ، ۱۹۲۳ء)

• حیات محمد: گوند دایا جنڈ ہوک بیکانیری (طبع چن لال سہنی ایڈ برادر زلاہور: ۱۹۳۲ء)

• پیغمبر اسلام: پنڈت سندر لال، سیلی پر لیں اللہ آباد، (۱۹۳۳ء)

• آفتاب حقانیت یعنی عرب کا چاند، سوامی لکشمی پرشاد، روڈی پنجاب، (۱۹۳۲ء)

• حضرت محمد اور اسلام: ڈاکٹر پنڈت سندر لال، (طبع اول اللہ آباد، ۱۹۲۲ء)

• حضرت محمد اور اسلام: بالو کنخ لال ایم اے، (جید بر قی پر لیں دہلی)

• پیغمبر اسلام: رگونا تھہ سہائے (یہ دراصل میلانہمہ ہے)

• گوبندرام سیدھی پرشاد: اتحاد پر لیں لاہور (۱۹۳۳ء)

• حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری: پروفیسر لاجپت رائے

• پیغمبر صرا، کے ایل گابا، (دہلی ۲۰۰۳ء)

اصلاح معاشرہ

اسلام کے سایہ عاطفت میں آئیں!

مولانا سید محمد حمزہ ندوی

مہر، جہیز کے لیے کیا کیا کرنا ہوتا ہے، ہزاروں رسوموں سے گزرا ہوتا ہے، شادی جو ایک مسروں کن چیز ہوتی ہے؛ لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۱۔ کتنے ایسے ملیں گے جو شادی پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں جب کہ اتنی حیثیت نہیں ہوتی، مگر قرض لے کر فضول رسوم پر پانی کی طرح دولت خرچ کرتے ہیں۔

۲۔ کتنے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے مکانوں تک کوہن رکھ کر اس فرض سے سبد و شہ ہوتے ہیں اور پھر اپنے مکانوں کو واپس نہیں لے پاتے۔

۳۔ کتنے ایسے ہیں جو سودی روپے قرض لے کر شادی دھوم دھام سے کرتے ہیں۔

۴۔ کتنے ایسے ہیں جو روپیہ اکٹھانہ کر سکنے کی وجہ سے اپنی جوان لڑکیوں کی شادی نہیں کر پاتے اور لڑکیاں گھر میں پیٹھی رہ جاتی ہیں۔

آپ خود خیال کیجیے کیا لوگوں کو دکھانے اور نام و نمود کی خاطر اپنے کوتاہ کر لینا عقل مندی کا کام ہے کہ دنیا کی تباہی کے ساتھ آخرت کوتاہ کر لینا سمجھ بوجھ کی بات ہے، ہمارا فریضہ ہے کہ ایسی تباہ کن شادیوں کے خلاف تحریک چلائیں، ان لوگوں کے خلاف آواز اٹھائیں جو ان رسوموں کے ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے، آئیے ہم سب مل کر شادیوں کو اتنی آسان بنائیں کہ امیر و غریب بغیر کسی بوجھ کے شادی کر سکے۔

☆☆☆☆☆

اگر کسی محلہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو خود اپنے گھر میں آگ لگادے اور پھر اپنے گھر کو جلتا دیکھ کر خوش ہو یا اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کے درود یا رگار دے اور اس موقع پر لوگوں کو اکٹھا کرے اور ان کو یہ تماشا دکھائے تو محلہ کے دوسرا لوگ ایسے شخص کو کیا کہیں گے، سب ہی سمجھیں گے کہ ایسا شخص جو اس طرح کی حرکت کرے اس کے دماغ میں کچھ فتور ہے اور اس کی عقل صحیح و سالم نہیں، ورنہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو نہ جلاتا اور اس کے درود یا رکونہ گراتا۔

لیکن آج ہمارے سماج میں اس طرح کے بیشمار واقعات پیش آرہے ہیں اور صرف نہیں کہ گھر جلتا ہو، بلکہ گھروں کی تباہی کے ساتھ عزت و شرافت کو بیٹھ لگتا ہے، دولت و ثروت کا خاتمه ہوتا ہے۔

آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہو گا کہ آخر وہ کون سانسور ہے جو جسم کو گلداریتا ہے اور وہ واقعات کیا ہیں جو گھرانوں کے گھرانوں کو تباہی کے غار میں ڈھکیل دیتے ہیں؟

ہم نے اسلام کے دامن کو چھوڑ کر اور اس کے سایہ عاطفت سے نکل کر رسوم و رواج میں پھنس کر اپنے عقل و ضمیر کو بھی خیر باد کہہ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری زندگی رسوم و رواج، نمائش، نام و نمود اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں الجھ کر رہ گئی۔

آج ہمارے گھرانوں میں شادی کس طرح

ہوتی ہے، اس کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے پڑتے ہیں

انھوں نے نول کشور پر لیں اور بکڈ پو قائم کیا، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ۸۵۸۱ء سے ۹۱۵ء تک چھ ہزار کتابیں شائع کیں، ان کی نشریات میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور تصوف ہر فن کی اعلیٰ کتابیں شامل ہیں، تفسیر میں جلالیں اور تبیان فی اعراب القرآن، حدیث میں سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ، مسکلۃ شریف، تیسیر الاصول الی جامع احادیث الرسول اور بخاری پر قسطلانی کی شرح ارشاد الساری ان ہی کے ذریعہ منظر عام پر آئی، اصول فقہ میں توضیح تلویح، حسامی، شرح مسلم الشبوت اور اصول الشاشی جیسی اہم کتابوں کو انھوں نے اہل علم کی بارگاہ تک پہنچایا، فقہ میں فتاویٰ عالمگیری، دروغتار، شرح وقاہ، جامع الرموز، ہدایہ، فتح القدری، فتاویٰ قاضی خان، قدری، الاشباه والنظائر جیسی کتابیں جن سے آج کوئی مفتی اور فقہہ کا مدرس بے نیاز نہیں ہو سکتا، مثی نول کشور ہی کے ذریعہ قلمی شخنوں سے مطبوعہ شخنوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئیں، اسی طرح علم کلام میں شرح عقائد نفسی، شرح خیالی اور شرح مواقف، نیز تصوف میں احیاء العلوم، مثنوی مولانا روم، مکتبات امام ربانی اور تاریخ میں فتوح الشام اور تاریخ طبری جیسی اہم کتابوں کی سوغات بر صیغہ کے اہل علم تک اسی مکتبہ کے ذریعہ پہنچ پائیں، یہ ان کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اسلامی دنیا اس سے کبھی سبک بار نہیں ہو سکتی۔

غرض کہ ہندوستان میں ایک دوسرے کے مذہب کی مقدس کتابوں اور شخصیتوں کے احترام اور اُن کی تقدیر ایک کام حاصل بنارہا، یہی اس دھرتی کا مزاج ہے اور اسی میں ملک کا مفاد ہے، کاش ابناۓ ملک اپنی اس روایت کی طرف لوٹ آئیں!!!

☆☆☆☆☆

تاریخ و تذکرہ

اسلام کے عروج و زوال کا مطالعہ

اسلامی تہذیب کا عروج و زوال، نامی کتاب پر ایک وقیع تحریر

مولانا بلال عبدالحی حسینی ندوی

گی اور ان پر غلبہ حاصل کیا جائے گا تو پوپ نے بڑی روقدار کے بعد اس کی اجازت دے دی۔ اس سے قبل خفیہ طور پر پوپ کے لوگ انہل میں تعلیم حاصل کرتے تھے، بعض اسلامی کتابوں کے ترجمے بھی ہوئے تھے۔ پوپ کی اجازت کے بعد یہ کام سوت کے ساتھ شروع ہوا۔

پوپ میں تعلیمی ادارے تیرہویں صدی عیسوی سے قائم ہونا شروع ہوئے۔ پندرہویں صدی میں پرلیس کی ایجاد اور قحطانیہ اور انہل کے علمی سرمایہ کی منتقلی کے بعد علمی انقلاب آیا اور پوپ کی ترقی کا آغاز ہوا جس کے نتائج واضح شکل میں سولہویں اور سترہویں صدی میں ظاہر ہونے لگے، جس کے نتیجہ میں پوپ کو عالم اسلام پر برتری حاصل ہوئی۔

دنیا کے عروج و زوال کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن قوموں نے ترقی کی ان کی فکر و تہذیب کی چھاپ دوسرا مغلوب قوموں پر پڑی وہ قومیں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، جب تک مسلمان ترقی یافتہ قوم سمجھے جاتے تھے اس وقت تک دنیا پر اسلامی ثافت کا اثر قائم رہا اور جب یہ گیند عیساویوں کے پالے میں چلی گئی اور آخر دور میں یہودی ان کے حلیف بن گئے تو دنیا پر آج اسی تہذیب کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

تہذیب کی تخلیقیں چار چیزوں سے ہوتی ہے: اقتصادی ذرائع، سیاسی نظم، اخلاقی قواعد و ضوابط اور علوم و فنون کا استحکام۔ بعثت نبوی (علی) نے پوپ سے مل کر ان سے اسلامی علوم حاصل کرنے کی اجازت چاہی۔ پوپ کو اس میں تردد تھا، مگر جب اس کو یہ بتایا گیا کہ اس کا مقصد عیسائیت کی خدمت ہے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہنوں کو متاثر کرنے میں مدد ملے

کی اور مذہب و تمدن کی کشمکش جاری رہی بالآخر کلیسا نے شکست کھائی اور اس کو زندگی کے میدان سے بالکل الگ کر دیا گیا: سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری شاہ فرانس لوئی نہم (۱۲۷۰ء) جس کو مصر میں گرفتاری کے بعد تیونس پر حملہ میں ناکامی ہوئی اس نے مرتب وقت وصیت نامہ میں لکھا کہ ہم آئے، لیکن ان کو دین کی سرپرستی حاصل تھی، ان کی باگ ڈوراں دین کے ہاتھوں میں تھی، اسلام کی بنیاد ہی علم پر پڑی تھی، سب سے پہلی وجہ میں قلم کا تذکرہ کیا گیا تھا، اسلام نے ہمیشہ علم دوستی کا ثبوت دیا اور زمانہ کو علم سے بھر دیا، صدیوں تک دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔

اسلام کے بعد عیسائیت سب سے بڑا مذہب تھا لیکن اس کی بنیاد ہی علم و مشنی پر تھی، علم حاصل کرنا، لکھنا پڑھنا ان کے یہاں بہت بڑا گناہ تھا، وہ صدیوں مسلمانوں سے نبرد آزمرا ہے، تا ہم میدان مسلمانوں ہی کے پا تھرا ہا۔

آہستہ آہستہ صورت حال تبدیل ہونا شروع ہوئی، مسلمانوں نے علم سے بے قوجی برتنی شروع کی اور دوسرا طرف عیسائی مفکرین نے یہ حقیقت سمجھی کہ علمی بالاتری کے بغیر وہ آگے نہیں پڑھ سکتے، کلیسا نے ابتداء میں اس کی پر زور مخالفت

سلسلہ میں مسلمان علماء نے کسی قسم کا تعصب بردا اور نہ ہی وہ غفلت کا شکار ہوئے، بلکہ پورے حزم و اختیاط کے ساتھ انہوں نے ان علوم سے فائدہ اٹھایا۔ علمی یونیورسٹیاں قائم ہویں، ہسپتال بنائے گئے اور نئے نئے تجربات کیے گئے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جدید سائنس کی بنیاد بھی مسلمانوں نے ہی رکھی اور بہت سے ایسے اصول بنائے جن کی بنیادوں پر سائنسی ترقیات ممکن ہو سکیں۔

لیکن یہ سب اسی وقت تک ہوا کا جب تک مسلمانوں نے اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھا، دین اور دنیا میں تفریق نہیں کی اور علوم و فنون کی ترقی دین کے سایہ میں ہوتی رہی، پھر وہ وقت بھی آیا کہ دنیاوی علوم مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ دنیی اصولوں میں بھی غفلت برتنی جانے لگی اور آہستہ آہستہ دنیا پر مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی پھر تاریخ نے پانسہ پلٹا اور اسلامی طاقت منتشر ہو کر رہ گئی۔

قوموں کا عروج وزوال صرف تاریخ کی ایک کہانی نہیں بلکہ اصلاح و انقلاب اور زوال و ادبار کی یہ وہ تفصیلات ہیں جن کے پیچے قوموں کا دماغ اور ان کی قوت عمل کا فرم ہوتی ہے، تاریخ کا یہ حصہ قصہ پار یہ نہیں بلکہ روشن مستقبل کا یہ وہ راستہ ہے جس پر چل کر قومیں با معروج تک پہنچی ہیں، غلطیوں کو دہرانا عقل و هوش کی بات نہیں اور ان سے سبق لیتا اہل خرد کا کام رہا ہے۔

دنیا کی ڈریٹھ ہزار سالہ تاریخ میں اسلام نے دنیا کو علم و اخلاق، تہذیب و ثقافت اور شرافت و انسانیت کے وہ بنیادی اصول فراہم کیے ہیں جن سے دنیا کبھی مستغفی نہیں ہو سکتی اور مسلمانوں نے جب تک خود ان اصولوں کو بردا دنیا ان کی محتاج رہی۔ اس

بے مہار نہ ہوا اور علم کا استعمال بے جانہ ہو سکے۔

جہاں تک سیاسی نظم و ضبط کا تعلق ہے تو یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد جس اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی وہ ایسے مضبوط اصولوں اور ٹھوس بنیادوں پر قائم ہوئی تھی کہ اس نے دنیا کی بڑی بڑی شہنشاہیوں کو جواندہ سے کوکھلی ہو چکی تھیں اور ساری انسانی قدریں کو چکلی تھیں صرف ہلاکرہی نہیں بلکہ مٹا کر رکھ دیا جا کر رس تیرا محسول یہیں میرے پاس آئے گا۔

اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ اسلام کا اقتصادی نظام بھی مضبوط ہوتا چلا گیا، جس کی اصل بنیاد اسلام کا وہ نظام زکوٰۃ و صدقات ہے جو اقتصادی نظام کے لیے ریزھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اتنی وسیع سلطنت میں جو تقریباً آدمی دنیا پر مشتمل تھی مغلوک الحال لوگ شاید ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملتے۔ امن و امان کا یہ حال ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دورہی سے علم کی ترقی کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے علم کے لیے جو بنیادیں فراہم کیں، بعد میں اس پر بڑے بڑے محلات اور فلک بوس عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح دنیا کو علم سے بھر دیا اس کی نظر کسی دوسرے مذہب یا مکتب فکر میں نہیں ملتی۔ اسلام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ اس نے صحیح بنیادوں پر علم کو آگے بڑھایا اور اس کے ساتھ عظمت رب شامل کی۔ پہلی ہی وحی میں اقرأ (پڑھنے) کے ساتھ بسامہ ربک (اپنے رب کے نام سے) کی شرط لگادی گئی تاکہ انسان

کی چول جو اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اس کو بڑھایا گیا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عمزاد بھائی حضرت جعفر طیار نے نجاشی (شاہ جبشہ) کے دربار میں جو تقریب کی وہ انہیں اخلاقی بلندیوں کا مظہر تھی جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانیت کو عطا فرمائی تھیں۔

علوم و فنون کے استحکام و ترقی کی شاہ کلید تو قرآن مجید کی یہ پہلی آیت ہے جس سے وحی کا آغاز ہوتا ہے، سب سے پہلے اس میں پڑھنے ہی کا حکم دیا گیا ہے، اور قلم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تعلیم و تعلم کی بڑی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ بدرا کے قیدیوں کا یہی فدیہ متعین کیا گیا تھا کہ ان میں جو پڑھے لکھے ہوں وہ بچوں کو تعلیم دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بعض صحابہ کو عبرانی اور دوسرا زبانیں سیکھنے کا بھی حکم فرمایا تھا۔ تمام مذاہب میں اسلام نے علم کی اہمیت جس طرح اجاگر کی ہے اور اس کو طاقت بہم پہنچائی ہے دنیا کا کوئی مذہب اس کا عشرہ عشیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دورہی سے علم کی ترقی کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے علم ایک بڑھایا ایک شہر سے دوسرے شہر تک آرام سے جاسکتی تھی، اس کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔

شروع ہی سے علم دینیہ کے ساتھ دوسرے علوم جو انسانی زندگی کے لیے مفید اور ضروری تھے مسلمانوں کی توجہ کا مرکز رہے اور مدد بھی طور پر ان علوم نے ارتقاء کے مراحل طے کیے۔ یونانی علوم کا بڑا حصہ عربی میں منتقل کیا گیا اور اس کے مضر اجزاء کو چھوڑ کر اس کے بقیہ حصوں سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اس

سید احمد شہید اکیڈمی کی جدید و دیدہ زیب مطبوعات حق و باطل کی شکش - سورہ کہف کی روشنی میں

از: حضرت مولانا سید محمد رالح حسنی ندوی مدظلہ العالی
سورہ کہف کی جامع تفسیر، قرآن سے شغف اور عربی زبان و ادب کے خاص ذوق کی غماز!
الفاظ و معانی کی دل کش پیرایہ میں تشریح و تطبیق، خواص و عوام دونوں کے لیے یکساں مفید!
صفحات: ۲۲۳ قیمت: ۲۰۰

ایشارہ کیا ہے؟

از: مولانا سید بلاط عبدالحی حسنی ندوی

حدیث کی شہرہ آفاق کتاب ”تہذیب الاخلاق“ کے ”باب الإیشار والمؤاساة“ کا درس!
خود غرضی و مادیت کے دور میں ایشارہ و قربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے ایک مؤثر رسالہ!
طلبہ و علماء اور عوام سب کے لیے ایک بہترین تحفہ!

صفحات: ۵۶ قیمت: ۳۰

حلال کمائی اور اس کے ذرائع

از: مفتی راشد حسین ندوی

موجودہ حالات کے تناظر میں حلال کمائی اور اس کے ذرائع پر سیر حاصل بحث!
جدید مسائل پر فتحی بصیرت کے ساتھ معتقد لانہ کلام اور شرعی نقطہ نظر کی وضاحت!
طلبہ اور فقہی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین سوغات!

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۱۰۰

دابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی (موباں: 9919331295)
نوٹ: یہ کتابیں لکھنؤ کے سمجھی مکتبوں میں دستیاب ہیں۔

اور جب مسلمانوں نے ان سے پہلو تھی کی تو ان کو زوال کا سامنا کرنا پڑا اور دنیا کی دوسری قوموں نے ان بنیادوں سے فائدہ اٹھایا اور عروج کی بلندیوں تک پہنچیں، لیکن اسلام کے مذہبی اخلاق و انسانیت کی دوڑی نے دنیا کو جنم کر دیا، علم و تکنالوژی میں وہ آسمان کی بلندیوں پر نظر آتی ہیں، لیکن ان کی اخلاقی سطح پھوٹ کی معلوم ہوتی ہے، علم و اخلاق کے اس عدم توازن نے دنیا کو بڑا نقصان پہنچایا، دنیا اس کی منتظر ہے کہ پھر وہی تاریخ دہرائی جائے اور اسلام کے دیے ہوئے نظام کو پھر بردا جائے اور اس کے لیے ضرورت ہے اس کے صحیح تعارف کی اور اس سے بڑھ کر اس کا صحیح نمونہ پیش کرنے کی، لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم ان حقائق سے واقف ہوں اور تاریخ کا اس نظر سے مطالعہ کریں۔

پیش نظر کتاب میں انہی حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے، عروج و زوال کے اسباب کا گھرائی کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے، مغربی مورخوں کی کتابوں کو بھی پوری طرح سامنے رکھ کر اس کا تجویز پیش کیا گیا ہے، حوالوں کا پورا التزام ہے اور زبان بھی بہت شستہ ہے، میں عزیز گرامی مولوی محمد نفیس خاں کو دل کی گھرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں، اس سے پہلے بھی ان کے قلم سے متعدد مفید کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، ”کلیسا- یورپ کی مذہبی و اخلاقی تاریخ“ اپنے موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے اور اس میں بھی وہی محققانہ و فاضلانہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو پیش نظر کتاب کی بھی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو امت مسلمہ کے لیے مفید بنائے اور متعار غم گشته کو حاصل کرنے کے لیے شاید اس میں بہت کچھ مواد حاصل ہو۔



رسید کتب

تعارف و تبصرہ

محمد اصفاء الحسن کا نذر حلوی ندوی



کہ مولانا کے اہل خانہ بھی علمی و ادبی ماحول کے پورروہ اور انشاء و مضمون نگاری کا ذوق رکھنے والے ہیں۔

چوچھا باب 'منظوم خراج عقیدت' کا ہے۔

پانچھال 'مولانا اپنی تحریر و تقریر کے آئینے میں، چھٹا 'مولانا کی شعری تخلیقات، ساتواں 'مولانا کے نام خطوط، آٹھواں 'تحریری خطوط، اور آخری باب مولانا کے حیلیں القدر اساتذہ مولانا فراہمی، مولانا اختر حسن اصلاحی، مولانا جیلیل الحسن ندوی، مولانا محمد ایوب چیراج پوری اور مولانا صدر الدین اصلاحی کی شخصیات پر فصیلی تعارفی مضامین سے عبارت ہے۔

مولانا شہباز رحمۃ اللہ علیہ نے 'تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی، وہ اک ایسے استاد تھے جس کو فنا فی الطلبہ رہنا پسند تھا، اور اسی کو وہ اپنا نصب الحین بنائے رہے۔ بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ تفسیر و حدیث کے باب میں آپ کی دیقانہ ری اور نکتہ آفرینی اگرچہ ضبط میں لا جائی، اور شعر و شاعری سے آپ کی طبعی ہم آہنگی کے لیے اگر کچھ وقت تکل آتا تو آپ کا علمی و ادبی ذوق مکمل شکل میں آج ہمارے سامنے ہوتا، اور اس سے استفادہ کا موقع آئندہ بھی فراہم رہتا؛ لیکن: اے بسا آروز کہ خاک شدہ "ذکر مولانا شہباز اصلاحی" کے مرتب کے ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ایسے مضامین کا انتخاب ہمارے سامنے رکھا، جن میں مولانا کی علمی، فکری اور ادبی شخصیت کی اچھی خاصی جھلک ہمیں نظر آجائی ہے۔ بطور خاص مولانا کے شاگرد خاص مولانا محمد اکرم ندوی کے متعدد مضامین، جن میں مولانا کے علمی افادات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جب کہ دیگر مضامین بھی ان سے خالی نہیں۔

مہدد الامام حسن البنا، بھٹکل شائع کیا ہے۔ ندوہ اور شباب مارکٹ لکھنؤ کے کتب خانوں کے علاوہ دیوبند کے مختلف کتب خانوں پر بھی حصول کے لیے دستیاب ہے۔

رابطہ کے لیے: ۸۳۸۵۲۵۶۷۲

نام کتاب: تذکرہ مولانا شہباز اصلاحی
مرتب: محمد ناصر سعید اکرمی
مولانا شہباز احمد اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ ایک نایبغہ روزگار شخصیت تھے۔ تدریس علوم شریعہ اور دعوت و اصلاح ان کا خاص میدان تھا، جس کے وہ بے مثال شہسوار تھے۔ انہوں نے جماعت الفلاح اور جماعت الاصلاح جیسے معروف و مشہور تعلیمی اداروں سے سہل فیض اٹھایا، اور پھر انہی اداروں میں طلبہ علم کی تلقینی بجھائی اور انھیں سیراب کیا، اور آخر میں اک لمبے عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک مقبول و مشفق استاد کی حیثیت سے رہے، اور اسی منصب پر وفات پائی۔
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف علوم و فنون پر درستگاہ حاصل تھی: تفسیر ہو، حدیث ہو، فقہ ہو، ایادی و فاسفہ ہو یا پھر عصری زبانیں یافتوں جیسے ہندی یا ریاضی وغیرہ ہوں اسے میں یک گونہ مہارت نے انھیں ایک منفرد و استاد بنا دیا تھا۔ علمی و فنی صلاحیت کے علاوہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صلاحیت، ملنسار، سادہ و خوش مزاج اور پُر بہادر شخصیت تھے۔ ان دفون خصائص کے باوصاف ایک طرف طلباء ان کی صلاحیت و قابلیت سے مرعوب رہتے تو دوسری طرف ان کی شخصیت سے متأثر اور ان کی ذات سے قریب۔ خوب اچھی طرح یاد ہے کہ راقم کے ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے زمانہ میں طلبہ کے درمیان آپ 'صاحب البیر' کے لقب سے مشہور تھے، وجہا س کی یہ تھی کہ جامع ندوۃ العلماء کے صدر دروازہ کے عین سامنے اس وقت ایک کنوں ہوا کرتا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ عص بعدادی کنوں کی منڈر پر نکل کر بیٹھ جاتے، اور طلباء آپ کو گھیر لیتے۔ پھر طلبہ کے بتکلف سوالات بھی ہیں اور خواتین کی بھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے ہوتے اور مولانا کے خوبصورت جوابات ہوتے۔ علم کی

فقہ و فتاویٰ

سوال و جواب



مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سے گریز لازم ہے۔

[الدر المختار علی رواحتار: ج ۲/ ص ۳۶۲]

سوال: جس لڑکی کے متعلق پیغام نکاح دیا گیا ہو، کیا لڑکا اسے خود دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جس لڑکی کے بارے میں پیغام نکاح دیا گیا ہو، اگر نکاح کا ارادہ ہے تو لڑکا خودا پے مگنیت کو دیکھ سکتا ہے، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرہ بن شعبہ کو اس وقت اپنے مگنیت کو دیکھنے کی اجازت دی تھی جب کہ انہوں نے پیغام نکاح دیا تھا۔

[جامع ترمذی، رواحتار: ج ۵/ ص ۳۲۵]

سوال: جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہو اور پیغام نکاح دے چکا ہو تو کیا اس لڑکی کی تصویر کھنچا کر مٹانوں اور دیکھنا لڑکے اور اس کے گھروں کے لیے درست ہے یا نہیں؟

جواب: تصویر کھنچانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے بلکہ خود دیکھ لے یا جائز طریقہ سے اطمینان حاصل کر لے۔ [حوالہ سابق]

سوال: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ عورت عدت کہاں گزارے گی، شوہر کے گھر میں یا میکے میں؟

جواب: مرحوم شوہر کا جو مکان ہو، یہوی اسی میں عدت گزارے گی، یہ حکم قرآن اور حدیث سے تاکیدی طور پر ثابت ہے، اس لیے اسی پر عمل کرنا چاہیے، البتہ وہاں عدت گزارنے میں دشواری ہو مثلاً جان و مال یا عزت و آبرو کو خطرہ ہو یا کرایہ کا مکان ہو، خود کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں وہ عدت گزارنے کے لیے اپنے میکے بھی جاسکتی ہے۔

[رواحتار: ج ۵/ ص ۳۲۶]

☆☆☆☆☆

سوال: نکاح میں عام طور پر روانج یہ ہے کہ لڑکے والے لڑکی والے کے بیہاں بارات لے کر جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر چند لوگ مثلاً پانچ دس افراد لڑکی کے گھر جائیں تو کیا یہ بھی بارات کھلائے گی؟

کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۵/ ص ۳۲۳]

سوال: مسلمان لڑکے اور لڑکی دو مسلم گواہوں

کی موجودگی میں غیر مسلم رجح کے رو بروایجاب و قبول کریں تو کیا نکاح ہو جائے گا اور کیا یہ خلاف شرع تو نہیں ہے؟ کیا اس طرح کے نکاح سے حقوق زوجیت حاصل ہوں گے؟

جواب: غیر مسلم رجح کے رو برو دو مسلمان مرد

گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاد و قبول ہو جانے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور حقوق

زوجیت بھی حاصل ہو جاتے ہیں؛ لیکن نکاح کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے، نکاح کا اسلامی طریقہ یہ

ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو اور خطبہ مسنون پڑھا جائے۔

[الحرارۃ: ج ۳/ ص ۸۷]

سوال: آجکل بعض شہروں میں مسلم خاندانوں

میں بھی یہ روانج ہو رہا ہے کہ ملنگی ہو جانے کے بعد لڑکا اور لڑکی نکاح سے پہلے آزادانہ میاں یہوی

کی طرح ملتے ہیں، ماں باپ کی طرف سے بھی اجازت ہوتی ہے، دونوں تفریح کے لئے بھی نکتے ہیں، کیا صرف ملنگی کے ہونے سے دونوں میاں

یہوی کی طرح آزادانہ زندگی گزار سکتے ہیں؟

جواب: ملنگی نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں،

اس لیے لڑکا اور لڑکی دونوں کا ایک ساتھ آزادانہ رہنا، تفریح کرنا اور خلوت میں رہنا شرعاً جائز نہیں

ہے، یہ غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقہ ہے، اس

سوال: بارات کا جو طریقہ عام طور پر روانج ہے، اسلامی شرع میں اس کا وجود نہیں؛ البتہ مجلس نکاح

میں شرکت کی دعوت دینا سنت سے ثابت ہے اور چند افراد اگر لڑکی کے گھر نکاح کرانے جائیں تو

اس کو بارات نہیں کہہ سکتے ہیں۔

[شرح الزرقانی مع المواہب: ج ۲/ ص ۳۲]

سوال: نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہوئی

چاہیے، اسی دن یا دو دن بعد یا چند مہینوں یا سال بھر

کے بعد بھی رخصتی ہو سکتی ہے، شرع میں کیا حکم ہے؟

جواب: شرع اسلامی میں رخصتی کے دن کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ طرفین کی سہولت اور مصلحت پر موقوف ہے۔ جیسی مصلحت ہو اس کی اجازت ہے

البتہ شوہر کو نکاح کے بعد مطالبہ رخصتی کا حق ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۱/ ص ۲۸]

سوال: دعوت و لیمہ کی مدت اور حد کیا ہے؟ کیا

نکاح کے دوسرے دن ہی و لیمہ ضروری ہے یا بعد

میں بھی گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو کب تک؟

جواب: اصل تو یہی ہے کہ دعوت و لیمہ شادی و رخصتی سے تین روز تک ہو، اس کے بعد نہیں؛ لیکن

اگر انتظامی دشواری ہو تو تین دن کے بعد و لیمہ

رفتار کار

منظور شدہ تجاویز اجلاس مجلس عاملہ

آل انڈیا مسلم پرستیں لا بورڈ منعقدہ ۵ فروری ۲۰۲۲ء برداشت اتوار

سزا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے، جو مکانات دسیوں سال سے بننے ہوئے ہیں، جو حکومت اور انتظامیہ کی نظروں کے سامنے بننے ہیں اور جن سے قانونی واجبات بھی وصول کیے جاتے رہے ہیں، ان کو بلڈوزر کے ذریعے لمحوں میں زمین بوس کر دیا جاتا ہے۔ احتجاج کا دستوری حق استعمال کرنے والے اور پر امن طور پر اپنا موقف پیش کرنے والوں کو سمجھنے دفاتر کے تحت گرفتار کر لیا جاتا ہے اور جرم ثابت کیے بغیر متوقوں ان کو جیل میں رکھا جاتا ہے۔ یہ سب لا قانونیت کی بدترین شکلیں ہیں اور لا قانونیت عوام کی طرف سے ہو یا حکومت کی طرف، بہر حال قبل مذمت ہے۔ اس کو روکنا حکومت کا اور تمام باشندگان ملک کا فریضہ ہے۔

۳۔ ملک کے دستور کی نیاد مساوات انصاف اور آزادی پر ہے۔ ان اصولوں کو قائم رکھنا حکومت کی بھی ذمہ داری ہے اور عدالتی کی بھی۔ اس لیے عدالتی سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ کم زور طبقات اور اقلیتوں کے ساتھ کی جانے والی نا انصافیوں کا جائزہ لے اور اپنا فریضہ منصبی ادا کرے۔ عدالتی عوام کے لیے امید کی آخری کرنے پڑے۔ اگر یہ بھی مدھم پڑ جائے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بُمّتی نہیں ہو سکتی ہے۔

۴۔ ملک کے دستور میں شامل بنیادی حقوق میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے، اس میں پرستیں لازم بھی شامل ہیں۔ حکومت سے اپیل ہے کہ وہ تمام شہریوں کی مذہبی آزادی کا احترام کرے۔ پرستیں لا کے ذیل میں مختلف گروہوں کے جو شخصات ہیں، ان کو ختم کر کے کامن سول کوڈ کا نفاذ ایک غیر جمہوری عمل ہو گا۔ یا تنے بڑے متنوع اور مختلف مذاہب اور تہذیب کے حامل ملک کے لیے موزوں بھی نہیں ہے اور مفید بھی نہیں ہے۔ اگر اس کو پاری منٹ میں اکثریت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے

اور ملک کے اولین معماروں نے اس ملک کے لیے جو راستہ اختیار کیا تھا، یہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں صدیوں سے مختلف مذاہب، قبائل، زبانوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے والوں نے ملک کی خدمت کی ہے اور اس کو آگے بڑھانے میں یہاں کردار ادا کیا ہے۔ اگر یہ ہم آہنگی اور بھائی چارہ ختم ہو گیا تو ملک کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔

اس لیے یہ احلاس حکومت سے، محبت وطن شہریوں سے، قانون دانوں، سیاسی رہنماؤں اور میڈیا کے لوگوں سے در دمندانہ اپیل کرتا ہے کہ وہ نفرت کی اس آگ کو پوری قوت کے ساتھ بچانے کی کوشش کریں اور اس کو ہوادیں سے بچیں، ورنہ یہ آگ آتش فشاں بن جائے گی اور ملک کی تہذیب، اس کی نیک نامی، اس کی ترقی اور اس کی اخلاقی وجہت سب کو جلا کر کر دے گی۔

۲۔ قانون انسانی سماج کو مہذب بناتا ہے، ظالموں کو انصاف کے کھڑے میں کھڑا کرتا ہے، مظلوموں کو انصاف فراہم کرتا ہے اور ان کے لیے حصول انصاف کی امید ہوتا ہے۔ لا قانونیت سماج کو انارکی میں بنتا کر دیتی ہے۔ اس لیے حکومت ہو یا عوام، اکثریت ہو یا اقلیت، برس اقتدار گروہ ہو یا اپوزیشن، سرمایہ دار ہو یا غریب اور مزدور، سب کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں، لیکن اس وقت بد قسمتی سے ملک میں لا قانونیت کا محل بن رہا ہے، ماں لجنگ ہو رہی ہے، ملزم پر کیس ثابت ہونے سے پہلے اس کو

منظور کیں:

۱۔ یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ ملک میں نفرت کا زہر پھیلا یا جارہا ہے اور اس کو سیاسی اڑائی کا ہتھیار بنایا جارہا ہے۔ یہاں ملک کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ جنگ آزادی کے مجاہدین، دستور کے مرتبین

عاقدین و مستخط کردیں تو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ طلاق کے واقعات کم ہوں گے۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت ہوگی۔ اگر ان کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہوگی تو آسانی کے ساتھ کم وقت اور کم خرچ میں ان کے اختلافات حل ہو سکیں گے۔

۹- مذہب اور عقیدے کا تعلق انسان کے یقین اور ضمیر سے ہے۔ اس لیے کسی مذہب کو اختیار کرنے کا حق ایک فطری حق ہے۔ اسی بنا پر ہمارے دستور میں اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے اور ہر شخص کو کسی مذہب کو اختیار کرنے یا مذہب کی تبلیغ کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ البتہ اس کے لیے وزر برستی اور مالی تحریص ایک نامناسب بات ہے۔ لیکن حالیہ عرصے میں مختلف ریاستوں میں ایسے قوانین لائے گئے اور لائے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جن کا مقصد ملک کے شہریوں کو سرے سے اس حق سے محروم کرنے کی کوشش ہے۔ یہ بات کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ تبلیغ مذہب کے لیے استعمال کیے جانے والے غیر قانونی طریقوں کو ضرور روکے، لیکن جو لوگ اپنی مرضی سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہتے ہیں یا پر امن طریقے پر قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

۱۰- ملک کے تعلیمی نظام کو دستور کی روح سے ہم آہنگ ہونا چاہیے، ماضی میں بڑی حد تک اس پر عمل ہوتا رہا ہے، نصاب تعلیم میں کسی ایک مذہب یا کسی ایک ٹکڑے کو بڑھا کر بتانے سے احتیاط کی جاتی رہی ہے، اس طرح سو شش سالہوں میں مختلف مذاہب کے پیشواوں کا تعارف نصاب میں شامل رہا ہے اور تاریخ میں ہر دور کی تاریخ کو نہائتی دی گئی ہے لیکن حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی میں یہ باتیں مفقود ہیں، یہ بات

ہے کہ وہ اپنے اوقاف کی حفاظت کے لیے مقامی طور پر بھرپور کوشش کریں۔ افتادہ آراضی کی احاطہ بندی کرائیں۔ اوقاف کو ان کے مقررہ مقاصد، نیز چہاں ضرورت ہو، وہاں ملت کے نونہالوں کے تعلیمی مقاصد کے لیے ان کو استعمال کریں۔

۷- بورڈ کا یہ اجلاس مسلمانوں کو متوجہ کرتا ہے کہ مسلمان ہونے کا مطلب اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالے کرنا ہے۔ اس لیے بہیت مسلمان ہم سب کا فریضہ ہے کہ ہم شریعت کے قانون پر عمل کریں۔ عورتوں کے ساتھ انصاف، بورڈوں کے ساتھ حسن سلوک، شادی بیویاں میں فضول خرچی سے پر بہیز اور سادگی کا لحاظ رکھیں۔ اپنے معاملات کو اپنے قانیوں، مذہبی رہنماؤں کے سامنے رکھ کر اپنے مسائل حل کریں۔ شریعت نے جن باتوں کو حرام اور گناہ قرار دیا ہے ان سے بچیں، چاہے قانون میں اس کی ممانعت نہ ہو، جیسے نہ، نکاح کے بغیر مردوں عورت کا جسمانی تعلق، سود، ہم جنسی، شوہر یا بیوی سے بے جا طریقہ پر بیسے وصول کرنا، طلاق کے بعد بیوی کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا۔ یہ ساری باتیں کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتیں اور نہ ملک کا قانون ہمیں ان پر مجبور کرتا ہے۔ چاہے قانون کسی خلاف شریعت بات کی اجازت دیتا ہو اور اس میں کسی شخص کا فائدہ ہو، لیکن ایک مسلمان کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

۸- بورڈ عام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ نکاح کے لیے بورڈ کے مرتب کردہ نکاح نامے کا استعمال کریں، جس میں زوجین کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور جس میں عاقدین کے لیے اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے باہمی نزاعات کو حل کرنے کے لیے دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ کو ثالث بنائیں۔ اگر سماں اس نکاح نامے سے فائدہ اٹھائے اور اس میں شامل ثالثی پر

زبردستی نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے ملک کا اتحاد متأثر ہوگا، ملک کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگی اور اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اس لیے بورڈ کا یہ اجلاس جو مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں پر مشتمل ہے، حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس ارادے سے بازاً آجائے اور ملک کے جو حقیقی مسائل ہیں ان پر توجہ کرے۔

۵- عبادت گاہوں سے متعلق ۱۹۹۱ء کا قانون خود حکومت کا بنا یا ہوا قانون ہے، جسے پارلی منٹ نے پاس کیا ہے، اس کو قائم رکھنا حکومت کا فریضہ ہے اور اسی میں ملک کا مفاد ہے، ورنہ پورے ملک میں مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی اڑائی شروع ہو جائے گی اور یہ ملک کے لیے بہت ہی بد قسمتی کی بات ہوگی۔ اس لیے حکومت اپنی ذمہ داری ادا کرے اور فرقہ پرست عناصر کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے۔

۶- اوقاف دینی و انسانی مقاصد کے لیے مسلمانوں کی جانب سے دی جانے والی املاک ہیں، جن کو شرعاً و قانوناً ان کے مقررہ مقاصد ہی پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ حکومت یا عوام کی طرف سے وقف کی جائداد پر قابض ہو جانا کھلے طور پر غصب ہے۔ خواہ یہ کسی مسلمان کی طرف سے ہو یا غیر مسلم کی طرف سے، یا ملک کے کسی شہری کی طرف سے ہو یا حکومت کی طرف سے، بہر حال یہ ایک غیر قانونی عمل ہے۔

اس لیے بورڈ اوقاف کے سلسلے میں حکومت کے بعض نمائندوں کی طرف سے جاری کردہ ان بیانات پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے، جن میں مسلمانوں کو ان کے اوقاف سے محروم کرنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے اور حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے کسی بھی قدم سے باز رہے اور مسلمانوں کو متوجہ کرتا

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب مطبوعات

مطالعہ سیرت و تاریخ و تہذیب

از ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

صفحات: ۳۲۲۔۔۔ قیمت: ۳۰۰ روپے

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے

تفسیری نکات

از مولانا محمد فرمان ندوی

جلد اول: صفحات: ۲۸۰ جلد دوم: صفحات: ۶۹۲

دونوں جلدوں کی کل قیمت: ۸۰۰ روپے

تینوں کتابیں ڈاک مصارف کے ساتھ صرف ۱۰۰۰ روپے میں

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ٹیکسٹ گارڈ، ندوہ کیپس، ندوہ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 9889378176 موبائل نمبر: 0522-2741539

ایمیل: info@airp.org.in

مسلمانوں اور اقلیتوں کے لیے ناقابل قبول ہے اس لیے حکومت سے پروپریٹیل کی جاتی ہے کہ وہ ملک کے نظام تعلیم کو دستور کے مزاج کے مطابق بنائے جس میں تمام مذاہب، تہذیبوں کا احترام ملحوظ ہو اور انصاف کے ساتھ ملک کی تاریخ پیش کی جائے۔

۱۱۔ بورڈ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ دینی اور اخلاقی ماحول کے ساتھ ہر سطح کے تعلیمی ادارے اور بڑیوں کے لئے خصوصی درس گاہیں قائم کرنے پر توجہ کریں تاکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے تقاضے پورے ہوں، بڑیاں محفوظ ماحول میں تعلیم حاصل کریں اور طلبہ و طالبات انسانی جذبے کے تحت ملک و قوم کی خدمت کرنے کے لائق بنیں۔

۱۲۔ بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب بچوں کو صحیح راستے پر قائم رکھنے کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ہر مسجد اور ہر محلے میں اس کا انتظام ہونا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ کوئی مسلمان بچہ یا بچی بنیادی دینی تعلیم سے محروم نہ رہ جائے۔ اس لیے مسلمانوں سے خاص طور پر اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس پر بھرپور توجہ کریں تاکہ ہماری نئی نسل کا راستہ دین و اخلاق سے قائم رہ سکے۔

۱۳۔ آل انڈیا مسلم پرنسپل لائبریری کی مجلس عاملہ نے آسام کی حکومت کے ذریعہ کم عمری کے شادیوں کے تعلق سے مسلم خاندانوں کی گرفتاری کا جو سلسلہ شروع کیا وہ انتہائی قبل تشویش ہے۔ بورڈ حکومت آسام سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سپریم کورٹ میں پنجاب و ہریانہ ہائی کورٹ جو معاملہ زیر بحث ہے اس میں فیصلہ آنے تک ان پر کوئی اقدام نہ کرے۔ اس سلسلے میں بورڈ اپنی لیگل کمیٹی کو مجاز کرتا ہے کہ وہ اس معاملے میں مداخلت کر کے اسلام کا موقف بھر پور طریقے پر پیش کرے۔



NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)



ندوۃ العلماء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۷۲۲۰۰۷ یو پی (ہند)

بسم اللہ تعالیٰ

Date 10th February 2023

تاریخ ۱۰ افروری ۲۰۲۳ء

اپیل برلے تعمیر اسٹاف کوارٹر

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ و کارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و اسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطہ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹر اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کا لوئی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، بگراب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹر کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکار مگر میں اسٹاف کوارٹر تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہو گیا۔ اب کیمپس کے اندر رہی مزید کوارٹر کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہو گی، جس میں ۶ فلیٹی کوارٹر ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ/- 1,15,00,000 (ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہو گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہاں کام تکمیل کو پہنچ گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولاناڈاکٹر) تقي الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلام صدیقی
(مولاناڈاکٹر) سعید الرحمن عظیمی ندوی	(مولانا) سید بلاں عبدالحی حسنی ندوی
معتمد عالم ندوۃ العلماء	معتمد عالم ندوۃ العلماء
ناظر عالم ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

نوت: چیک/ڈرافٹ پر صرف لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر اسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیات کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کارروائی میں سہولت ہو گی۔

فجزاکم اللہ خیرالجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK

<https://www.nadwa.in/donation/>

نوت: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن G080 نکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت ائمکنیکس سے مشتمل ہو گا